بانی
شیخ التفسیر حضرت
مولانا احمد علی لاہوری
قدس اللہ سرہ العزیز

یا ایہا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطان

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

مرویاتِ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ـــ (۲۸) ـــ

محمد سعید الرحمٰن علوی

عَنْ مُعَاوِیَۃَ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم لا تعجلن الی شیئٍ تظنّ انّک ان استعجلت الیہ انّک مدرکہ ان کان لم یُقدر لک ذالک وَلا تستأخرن عَنْ شیئٍ تظنّ انّک ان استاخرت عنہ انہ مرفوع عنکَ اِن کانَ اللہ قدّرہٗ علیک (رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط) (ترغیب و ترہیب ج ۳ ص ۳)

ایمانیات کے باب میں "تقدیر" پر ایمان لازمی اور ضروری ہے، اس کے بغیر انسان مسلمان نہیں ہو سکتا "والقدر خیرہٖ و شرہٖ من اللہ تعالیٰ" کا عقیدہ بنیادی عقیدہ ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ اس دنیا میں اچھا برا جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالےٰ کی مشیت اور ارادہ کے تحت ہوتا ہے، ہر چیز کا وہی خالق ہے اس کے منشا کے بغیر پتّا بھی نہیں ہل سکتا۔

دوسری بات جس پر ایک مسلمان کو ایمان رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ انسان یہ محسوس کرے کہ انسان کی ضرورتوں کو اللہ تعالےٰ سے بہتر کوئی نہیں جانتا، خود انسان بھی اس معاملہ میں بے خبر و بے علم ہے اللہ تعالےٰ ہی ہے جو جانتا ہے کہ انسان کی کیا ضرورت ہے اور اسے کیسے پورا کرنا ہے۔ "واللہ یعلم و انتم لا تعلمون" یہ ٹکڑا سورۃ بقرہ کا ہے جو جہاد کی فرضیت کے پس منظر میں ارشاد فرمایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جہاد کی سختیاں طبعی طور پر تمہیں بوجھل معلوم ہوتی ہیں لیکن ان میں نتیجہ کے اعتبار سے جو فوائد اور برکات مضمر ہیں انہیں اللہ تعالےٰ خوب جانتے ہیں لیکن تم ان سے ناواقف ہو۔ اور پھر ضابطہ کے طور پر ایک بات ارشاد فرمائی کہ "جو چیز تمہیں ناپسند ہو وہ ضروری نہیں کہ واقعۃً ناپسندیدہ ہو بلکہ ممکن ہے کہ وہ تمہارے حق میں بری ہو"۔ اس کے بعد ارشاد ہے ـــ "واللہ یعلم و انتم لا تعلمون" ہر چیز میں جو حقائق مضمر ہیں اور ہر چیز پر جو اثرات اور نتائج مرتب ہوتے ہیں ان سے اللہ کی ذات تو واقف ہے تم واقف نہیں۔

ایک مزید بات ذہن میں رکھنی ضروری ہے وہ یہ کہ سب کچھ دینے والی اللہ کی ذات ہے وہ دینا چاہیے تو کوئی روک نہیں سکتا اور وہی روک لے تو کوئی دے نہیں سکتا۔ حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم کی دعا ہے۔ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ ـــ انسانی فطرت کی جو کمزوریاں ہیں وہ ظاہر و باہر ہیں۔ انسان ہر معاملہ میں چھلانگیں مارنے کی کوشش کرتا ہے وہ چاہتا ہے کہ جو میں چاہتا ہوں وہ بس فوراً ہو ہی جائے وہ نہیں سوچتا کہ اس کا نفع کیا ہے اور نقصان کیا؟ جب اس کی خواہشات اور امنگیں اس کی حسب خواہش پوری نہیں ہوتیں تو وہ بے قراری اور اضطراب کا شکار ہو جاتا ہے۔ بے چینی اور بے خبری کے ساتھ جزع و فزع شروع کر دیتا ہے لیکن یہ نہیں سوچتا کہ اس جلدبازی کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا ـــ اللہ تعالےٰ کی ذات جو علیم و خبیر ہے اور حالات سے نہ صرف واقف ہے

(باقی ۱۶ پر)

جلد ۲۶ ❖ شمارہ ۴۰

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ ❖ ۳ اپریل ۱۹۸۱ء

اس شمارہ میں

رئیس الادارہ
پیر طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ

مدیر منتظم
مولوی محمد اجمل قادری

مدیر
محمد سعید الرحمٰن علوی

بدل اشتراک	سالانہ -/۶۰، ششماہی -/۳۰
	سہ ماہی -/۱۵، فی پرچہ ۱/۵۰

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

نوائے وقت لاہور کی اشاعت مجریہ ۲۲ مارچ ۱۹۸۱ء مظہر ہے کہ وفاقی شرعی عدالت نے "رجم" کو اسلامی تعلیمات کے منافی قرار دے دیا ہے ـــ تفصیلات کے مطابق لاہور کے دو آدمیوں نے درخواستیں دائر کی تھیں جن میں کہا گیا تھا کہ حدود آرڈیننس مجریہ ۱۹۷۹ء کے مطابق رجم یا سنگساری اسلامی احکام کے منافی ہے ـــ چنانچہ فاضل عدالت کے تین ججوں نے تو یہ فیصلہ دیا کہ رجم حد نہیں جب کہ ایک جج یعنی شیخ آفتاب حسین نے یہ لکھا کہ یہ فیصلہ تعزیر کے تحت سزا کے مطابق ہے البتہ مسٹر کریم اللہ صاحب درانی نے اختلاف کرتے ہوئے لکھا کہ رجم حد ہے ـــ وفاقی شرعی عدالت مسٹر جسٹس (ریٹائرڈ) صلاح الدین احمد، مسٹر جسٹس آغا حیدر علی، مسٹر جسٹس آفتاب حسین، مسٹر جسٹس ذکاء اللہ لودھی اور مسٹر جسٹس کریم اللہ درانی پر مشتمل ہے ـــ یہ عدالت اس سے قبل بھی کئی ایک فیصلے سنا چکی ہے۔ لیکن یہ فیصلہ بہت اہم ہے کیونکہ اس کا تعلق ایک ایسے شرعی حکم سے ہے جس پر حضور سرورِ کائنات، فخرِ موجودات علیہ السلام کے دورِ سعادت میں عمل ہوا اور آج تک امت اس معاملہ میں متفق اللسان ہے ـــ ایک مسلمان بجا طور پر یہ سمجھتا ہے کہ شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ساری دنیا کے انسانوں کے لئے ایک واضح اور ٹھوس نظام العمل ہے جس کی تکمیل ہو چکی ـــ دین اسلام جس کی نسبت سے ہم مسلمان کہے اور لکھے جاتے ہیں اس کی تکمیل پر اللہ تعالےٰ کا ارشاد بطور شاہد موجود ہے ـــ حضور علیہ السلام اس کے شارح و مبیّن تھے ان حقائق کا انکار کر کے کوئی آدمی دائرۂ اسلام میں نہیں رہ سکتا ـــ اس دین و شریعت کا ایک واضح حصہ حدود اسلامی ہیں جن کے نفاذ کے لئے ۱۹۷۹ء میں یہاں ایک آرڈیننس نافذ کیا گیا۔ ان حدود میں زنا جیسے

قبیح جرم کی حد بھی شامل ہے۔ جس کے دو حصّے ہیں ایک تو یہ کہ اس جرم کا ارتکاب کرنے والے شادی شدہ ہوں دوسرا یہ کہ وہ شادی شدہ نہ ہوں۔ شادی شدہ کے لئے "رجم" کی سزا ہے، یعنی انہیں سنگسار کر دیا جائے، اور غیر شادی شدہ زانیوں کے لئے سزا سو کوڑے ہے۔ اسلامی معاشرہ میں برابر ان سزاؤں کا نفاذ جاری رہا اور ان کی وجہ سے معاشرہ میں بہت کم جرائم ہوئے لیکن جب ملّت اسلامیہ اپنی شامت اعمال کے سبب انگریزوں کی غلامی کا شکار ہوئی تو اس میں جہاں اور نقصان ہوئے وہاں ایک بڑا نقصان فکری اور نظریاتی بے راہروی کی شکل میں سامنے آیا۔ پچھلی دو ایک صدیوں میں ایسے کئی اہلِ قلم و مصنّف ہو گذرے ہیں جنہوں نے کسی نہ کسی انداز سے ان سزاؤں پر ناک منہ چڑھایا۔ ہمارے قریبی دور میں اس کی بھونڈی مثال ان صاحب کے افکار کی تھی جو "پٹھان کوٹ تحریک" کے سربراہ و بانی تھے جنہیں یہاں اسلام کا بزعمِ خویش سب سے بڑا وکیل گردانا جاتا تھا اور باہر کی دنیا میں جن کے حواری اس عنوان سے ان کا خوب چرچا کرتے تھے لیکن ان کے مزعومات میں یہ چیز شامل تھی کہ انہوں نے حدود کو ظلم سے تعبیر کیا۔

وقت گذرا ۱۹۷۷ء کی عظیم الشان تحریک کے نتیجہ میں یہاں حالات نے انگڑائی لی تو اہل اقتدار نے ایسا اہتمام کیا کہ "شیخ بھی رہیں خوش تو شیطان بھی بیزار نہ ہو"

وفاقی شرعی عدالت "خدمتِ اسلام" کے مقدس جذبے سے تشکیل دی گئی اور اس سے قبل حدود آرڈیننس بھی اسی جذبہ کا غمّاز تھا لیکن معاشرہ میں جرائم کی جو نوعیت ہے اس پر کسی گفتگو کی ضرورت نہیں۔ معلوم ہوتا ہے قانون نام کی کوئی چیز یہاں نہیں۔ اب تک کسی حد پر عمل نہیں ہوا اور اگر کسی ماتحت عدالت نے ایسی کوئی سزا دی بھی تو اوپر جا کر اس کا جو حشر ہوا وہ المناک تھا۔ اس کے بعد قدرتی طور پر یہی شکل سامنے آنی چاہئے تھی جو اس فیصلہ کی صورت میں اسلامیانِ پاکستان نے پڑھی۔ اس کے بعد بھی کوئی کہتا ہے کہ یہاں اسلام کی بڑی خدمت ہو رہی ہے تو اس غیرت و حمیت سے عاری انسان کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ اس کو اپنی ملازمت پکّی کرنے کی فکر ہے۔

ہم حکومت سے بڑے ادب و احترام کے ساتھ عرض کریں گے کہ وہ ہر بہی خواہ کو اپنا سیاسی حریف سمجھ کر اس کی بات کو غلط رنگ دینے کی بجائے صحیح طرزِ فکر اور طرزِ عمل اختیار کرے یہ جو کچھ ہوا یہ چیلنج ہے شریعت محمدیہؐ کو، اور اس کا انجام معلوم! اس عدالت کی صحیح بنیادوں پر تشکیل اور صحیح انداز سے کام کا راستہ متعیّن کریں۔

اللہ تعالےٰ آنے والے حالات کی تاریکی سے ہمیں بچائے۔

علوی

بقیہ : خطبہ جمعہ

ہے جس کا قرآن نے ذکر کیا ہے۔

ہمارا فرض

ہمارا اصل فرض یہ ہے کہ ہم لوگ حالات کا صحیح جائزہ لیں اور معیار صحیح تعلیم و تربیت کو بنائیں اللہ تعالےٰ کے نزدیک نسبت کوئی چیز نہیں وہاں تو "ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم" کا پیمانہ ہے جو کام آئے گا اور جس پر بخشش و نجات نصیب ہو گی۔

اللہ تعالےٰ ہمیں اپنے عظیم المرتبت اسلاف کی زندگی کو اس طرح اپنانے کی توفیق دے کہ ہمارا کوئی قدم منشائے ربانی کے خلاف نہ اُٹھے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین!

مجلسِ ذکر

ضبط و ترتیب : علوی

اللہ تعالیٰ سے کئے گئے عہد و پیمان پورے کریں

پیرِ طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

بعد از حمد و صلوٰۃ :-

محترم حضرات! حضرت لاہوری قدس سرہٗ مسلمان حکمرانوں کی نااہلی کے بارے میں ایک بات ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ "مغل حکمرانوں کے آخری دَور میں کوئی شخص پانچ روپے جیب میں رکھ کر چاندنی چوک دہلی سے نہیں گذر سکتا تھا کیونکہ شہر کے ٹھگ راہگیروں کو لُوٹ لیا کرتے تھے اور قانون اور اس پر عمل درآمد نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر اللہ تعالےٰ نے بارہ ہزار میل دور سے انگریز (اور حضرت شدتِ جذبات سے انہیں چوہڑا کہتے) کو بلا کر بطور سزا مسلّط کر دیا۔"

آج کی جو صورت حال ہے اس کی روشنی میں حضرتؒ کی یہ بات یاد آ گئی۔

گذشتہ چند دن کے واقعات پر ایک نظر ڈالیں۔ لاہور کے قریب نارنگ منڈی کا واقعہ ذہن میں لائیں پی، آئی، اے کے طیارے کے اغوا، اس میں مسافروں کی حالت زار اور حکمرانوں کی بے بسی پر نظر ڈالیں، اللہ تعالےٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمارے وہ مظلوم اور پریشان بھائی تیرہ دن کی صبر آزما اور پریشان کن قید سے رہا ہوئے اور پھر قدرت نے انہیں حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف فرمایا۔ ایک مسافر طارق رحیم صاحب کا وحشیانہ قتل کتنا بڑا المیہ ہے اللہ تعالےٰ ان کو شہادت کے درجات عالیہ سے نوازے، ان کے اعزّہ اور بیوی بچّوں کا حامی و ناصر ہو۔

یہ سب کچھ ہے لیکن ہم ہیں کہ ہمارے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ اخبارات پر ایک نظر ڈالیں۔ تو اس میں چوری، اغوا، قتل، ڈکیتی خیانت جیسی خبریں ہوں گی کوئی آدمی کسی ناکردہ گناہ کا شکار ہو کر انتظامیہ کے ہتھے چڑھ جائے تو اس کی وہ مٹی پلید ہو گی کہ الامان۔ معاشرہ میں بھوک، افلاس اور تنگ پورے جوبن پر ہے۔ اطمینان قلب سے پوری قوم محروم ہو چکی ہے، اشیائے صرف کی کمیابی اور نایابی کا مستقل رونا ہے رشوت و سفارش نے معاشرہ کو گھُن کی طرح کھا لیا ہے ـــــ لیکن پھر وہی بات عرض کروں گا کہ کسی کے کان پر جُوں تک نہیں رینگتی۔ ہماری مسجدیں مرثیہ خواں ہیں ان میں نمازی ندارد! جو تھوڑے بہت افراد نماز کا خیال کرتے ہیں انہیں جماعت وغیرہ کا اہتمام نہیں۔ ہماری کوئی مجلس غیبت، بدزبانی، گالی گفتار جیسی باتوں سے خالی نہیں۔ ایک خدا کی عبادت کے بجائے ہر اپنے ہی بنائے ہوئے آستانے پر سجدہ ریزی کا شغل اتنا عام ہے کہ الامان! عبادت و بندگی معاشرے میں ختم ہو چکی ہے، اخلاق کا جنازہ نکل چکا ہے۔ غیرت دینی اور حمیّت نام کی کوئی چیز نہیں۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ خالقِ کائنات ہم سے روٹھ گئے ہیں اور جب وہ رُوٹھ جاتے ہیں تو پھر آپ جانتے ہیں کسی کی مدد و نصرت اور حمایت و ولایت کام نہیں آتی۔ اللہ ہی کی مدد و امداد ہے جو بندوں کے بگڑے ہوئے کام بناتی اور سنوارتی

ہے، اس کی مدد نہ ہو تو کوئی کام نہیں بن پاتا۔

محترم حضرات! ہم یہاں اکٹھے اس لئے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلق کا جائزہ لیں اس میں جو کمی اور کوتاہی ہے اس کا ازالہ کریں روٹھے خدا کو منائیں، توبہ و انابت سے کام لیں اپنی عملی اور اخلاقی زندگی سنوارنے کی فکر کریں اور اس پیغام کو دوسروں تک پہنچائیں — کیونکہ ہمارا یہی فرض ہے کہ اپنی اصلاح کریں اور دوسروں کی اصلاح کی فکر کریں۔ کنتم خیر امۃ کا یہی مطلب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا انعام جو کیا تو اسی غرض سے کہ ہم نیکی کو پھیلانے والے بن جائیں۔ اور برائی کو مٹانے والے۔

آج بدقسمتی سے ہماری حالت یہ ہو چکی ہے کہ ہم خود نیکی سے نفور ہیں اور دوسرے نیک کام کرنے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ برائی ہمارے رگ و ریشہ میں پیوست ہو چکی ہے — ایسے ہی حالات میں قوموں پر عذاب آتا اور ان کا اطمینان قلب لٹ جاتا ہے۔

آئیں، خالق کائنات کے حضور اپنے گناہوں کا اقرار کریں، اپنا احتساب کریں، توبہ کریں اور اللہ سے امن و عافیت کی درخواست کریں۔ حضور علیہ السلام کی محبوب ترین دعا یہ تھی اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔

اس دعا کو وظیفہ حیات بنائیں، اور اپنی زندگیوں کو سنوارنے کی فکر کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے۔

جماعتی کارکنوں سے!

نظام العلماء پاکستان کے قائمقام امیر مولانا عبیداللہ انور نے ملک بھر میں تمام جماعتی کارکنوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ دینی اور قومی معاملات میں پوری دلچسپی کے ساتھ حصہ لیتے رہیں اور نظام العلماء پاکستان کے عارضی تنظیمی خلفشار سے دل برداشتہ نہ ہوں۔

انہوں نے ایک بیان میں کہا ہے کہ امیر مرکزیہ مولانا محمد عبداللہ درخواستی نے ناگزیر حالات میں جماعت کی تنظیموں (عہدے داروں) کو توڑنے کا اعلان کیا ہے اور عمرہ پر تشریف لے جانے سے قبل اپنی عدم موجودگی میں مجھے بطور قائم مقام امیر کی حیثیت سے ذمہ داریاں ادا کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اس لئے سب جماعتی احباب سے گذارش ہے کہ وہ حضرت الامیر کی واپسی تک حالات کا انتظار کریں اور اپنی اپنی جگہ دینی اور ملی فرائض سرانجام دیتے رہیں۔

انہوں نے کہا کہ امیر محترم کی عمرہ سے واپسی کے فوراً بعد جملہ ذمہ دار احباب کے مشورہ سے جماعتی خلفشار پر قابو پانے کے لئے مناسب لائحہ عمل طے کیا جائے گا۔ اور مجھے یقین ہے کہ ہم بہت جلد باہمی اعتماد و مفاہمت کے ساتھ دینی و قومی مقاصد کی طرف پیشرفت کا آغاز کریں گے۔

بقیہ: دینی اصلاحات

نے مارچ میں کیا تھا۔ راقم الحروف ایک وفد لے کر اسی سلسلہ میں ان سے ملا تھا اور ان ترامیم کی طرف توجہ بھی دلائی مگر صدر صاحب نے اس طرح کی ترمیمات سے صاف انکار کر دیا تھا۔

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں ورنہ تعمیل نہ ہو سکے گی۔ (مینجر)

ہماری جناب صدر سے یہ گذارش ہے کہ جب بھی کوئی ترمیم کرنی مقصود ہو تو آزاد کشمیر کے جید علماء کرام سے مشورہ ضرور کیا جائے اس کے بغیر کوئی ترمیم نہ کی جائے۔ نیز یہ کہ اسلامی نظام کی کامیابی کے لیے مزید اصلاحات کرنے کے علاوہ پہلی اصلاحات کو موثر بنانے کی تدابیر اختیار کی جائیں۔ نہ یہ کہ ان کا حلیہ ہی بگاڑ دیا جائے اور کی گئی جملہ ترامیم کو واپس لیا جائے۔

خطبہ جمعہ — ضبط و ترتیب: علوی

اصل چیز اہلیت و صلاحیت ہے

○ جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عُبَیداللہ انور مدظلہم ○

بعد از خطبہ مسنونہ:-

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:—

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ . . . . مَنْ كَانَ تَقِيًّا۔

(صدق اللہ العظیم) (مریم ۵۹ تا ۶۳)

محترم حضرات و معزز خواتین!

جو آیات نقل کی گئی ہیں یہ سورۃ مریم سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ سورۃ جو مکّہ معظمہ میں نازل ہوئی ۶ رکوع اور ۹۸ آیات پر مشتمل ہے اور پورے قرآن کی یہ واحد سورت ہے جو ایک بہت برگزیدہ خاتون کے نام سے منسوب ہے یعنی حضرت مریم جو والدہ محترمہ ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی۔

سورت کے مضامین

اس سورۃ کے پہلے رکوع میں حضرت زکریا علیہ السلام کے حالات ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریمؑ کے خالو تھے۔ انہی کی تربیت میں حضرت مریمؑ کے وقت گذارا تھا یہ بہت بوڑھے ہو گئے تھے، اور ان کی اہلیہ محترمہ بھی بہت بوڑھی تھیں۔ بڑھاپے میں انہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسے صالح فرزند سے سرفراز فرمایا جو اللہ کے پیغمبر قرار پائے — قرآن عزیز نے کہا ہے کہ "ہم نے یحییٰ علیہ السلام کو بچپن ہی میں حکمت عطا فرمائی۔ انہیں رحمدلی اور پاکیزگی سے سرفراز کیا۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی توفیق دی اور یہ بھی کہ وہ سرکش اور نافرمان نہ تھے"۔

سورۃ کے دوسرے رکوع میں حضرت مریمؑ کا تفصیلی قصہ ہے کہ کس طرح انہیں بغیر شادی صاحبزادے کی خوشخبری سنائی گئی۔ وہ پھر پریشان ہوئیں لیکن انہیں تسلّی دی گئی کہ اللہ کے لئے ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں آپ کا صاحبزادہ لوگوں کے لئے نشانی ہوگا — صاحبزادہ پیدا ہوا۔ یہود کے اعتراض پر اس نے مہد میں گفتگو کی جس میں اپنی حیثیت کو واضح کیا — اور کہا کہ میں "عبداللہ" ہوں (اللہ کا بندہ) اس نے مجھے کتاب دی، نبی بنایا۔ مجھے ہر کہیں بابرکت بنایا، مجھے نماز و زکوٰۃ کی وصیت کی نیز اپنی والدہ کے ساتھ نیکی کرنے والا بنایا اور مجھے سرکشی اور بدبختی سے محفوظ رکھا"

اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق چند مزید ارشادات ہیں اسی ضمن میں اپنی الوہیت و معبودیت کا ذکر ہے اور "ابنیت مسیح" کے عقیدہ کی تردید ہے اور پھر حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ و ہارون، حضرت اسمٰعیل و ادریس علیہ السلام کا ذکر ہے اور آیت ۵۸ میں فرمایا:—

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا پیغمبروں میں اور آدم کی اولاد میں سے، اور ان میں سے جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا اور ابراہیم اور اسرائیل کی اولاد میں سے اور ان میں جنہیں ہم نے ہدایت کی اور پسند کیا۔ جب ان پر اللہ

کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو روتے ہوئے سجدہ میں گرتے ہیں۔" (حضرت لاہوری قدس سرہٗ)

ابتدا میں تلاوت کی گئی آیات

اس کے بعد وہ آیات ہیں جو ابتدا میں آپ نے ملاحظہ کیں، پہلے ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:۔

"پھر ان کی جگہ ایسے ناخلف آئے جنہوں نے نماز ضائع کی اور خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے پھر عنقریب گمراہی کی سزا پائیں گے مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک کام کئے سو وہ لوگ بہشت میں داخل ہوں گے اور ان کا ذرا نقصان نہ کیا جائے گا۔ ہمیشگی کے باغوں میں جن کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے جو ان کی آنکھوں سے پوشیدہ ہے بے شک اس کا وعدہ پورا ہونے والا ہے اس میں سوائے سلام کے کوئی فضول بات نہ سنیں گے۔ اور انہیں وہاں صبح و شام کھانا ملے گا —— یہ وہ جنت ہے کہ ہم اپنے بندوں میں سے اس کو وارث بنائیں گے جو پرہیزگار ہوگا۔ (حضرت لاہوریؒ)

ان آیات میں چند باتوں کا ذکر ہے —— حضرت لاہوری قدس سرہٗ کے مختصر حواشی سے ان باتوں کا پتہ چل جائے گا۔

۱- بات یوں ہے کہ ان مقدسین (یعنی ان انبیاء کا ذکر ہے) کے بعد نالائق جانشین ہوئے (ایسا ہی دوسرے بڑے لوگوں کا ہوتا ہے بالعموم ان کی اولاد "پدرم سلطان بود" کا نعرہ لگا کر قیادت کا حق مانگتی ہے۔ ہاں اللہ جن پر رحم کر دے ان کی اولاد واقعۃً ان کی نیکیوں کی وارث بھی بن جاتی ہے) اور انہوں نے یادِ الٰہی چھوڑ دی خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے پڑ گئے اور اس قسم کے غلط عقیدے گھڑ لئے وہ لوگ اس کی پاداش میں جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

۲- ہاں، جو شخص ان میں سے تائب ہو جائے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

(۳ تا ۵) (جنت کے انعامات کا ذکر ہے) کہ وہی ہمیشہ کے باغ جن کا دوسرے مقربین الٰہی کو وعدہ دیا گیا ہے انہی میں ان کا داخلہ ہوگا اس میں کوئی بیہودہ بات تک نہیں سن سکیں گے —— یہ فقط پرہیزگاروں کی قیام گاہ ہے۔"

(حواشی حضرت لاہوریؒ ص ۴۹۳)

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:۔

"وہ تو اگلوں کا حال تھا (کہ اتنی پاکیزہ زندگیاں تھیں) یہ پچھلوں کا ہے کہ دنیا کے مزوں اور نفسانی خواہشات میں خدا تعالیٰ کی عبادت سے غافل ہو گئے۔ نماز جو اہم العبادات ہے اسے ضائع کر دیا۔ بعض تو فرضیت ہی کے منکر ہو گئے بعض نے فرض جانا مگر پڑھی نہیں بعض نے پڑھی تو جماعت اور وقت وغیرہ شروط و حقوق کی رعایت نہ کی ان میں سے ہر ایک درجہ بدرجہ اپنی گمراہی کو دیکھ لے گا کہ کیسے خسارہ اور نقصان کا سبب بنتی ہے اور کس طرح کی بدترین سزا میں پھنساتی ہے۔ حتیٰ کہ ان میں سے بعض کو جہنم کی اس بدترین وادی میں دھکیلا جائے گا جس کا نام "غی" ہے۔"

ہدایت کسی کی میراث نہیں

محترم حضرات! قرآن کریم کا نقطہ نظر بالکل واضح ہے وہ کہتا ہے کہ ہدایت اور اسی طرح باقی انعاماتِ خداوندی وراثت کے طور پر کسی کو منتقل نہیں ہوتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا اور اس کا کرم ہے جس میں وہ اس کی صلاحیت ودیعت فرما دے اس کا بیڑا پار ہو جاتا ہے —— حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھیں کس قدر خطرناک کافرانہ ماحول میں وہ پیدا ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی

اور اس کی وحدانیت کا پرچم لے کر جس طرح وہ گلی گلی پھرے اور بڑی سے بڑی شخصیتوں حتیٰ کہ اپنے دور کی ایک ظالم حکومت سے ٹکر لی۔ جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا کیا صلہ دیا؟ یہی کہ انی جاعلك للناس اماما دنیا کا مقتدیٰ اور امام بنایا۔ ابراہیم علیہ السلام نے قیادت و امامت کے متعلق ایک سوال کیا ومن ذریتی؟ یعنی یہ سلسلہ میری اولاد میں بھی قائم رہے گا؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ لا ینال عهدی الظالمین "نہیں پہنچے گا میرا قرار ظالموں کو"۔ گویا واضح کر دیا کہ ایسی کوئی بات نہیں یہ کوئی درہم و دینار تو نہیں ہیں کہ ابا حضور کا انتقال ہوا تو صاحبزادے میاں آ کے مالک و وارث قرار پائے۔ اس کا انحصار سعادت و نیکی، تقویٰ و صلاحیت پر ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر اس کی صلاحیت اپنے فضل سے عطا فرما دیں تو "باپ کے بعد بیٹے" کا تصور کفر و ظلم نہیں۔ ہمارے یہاں بعض لوگوں نے جو یہ تصور قائم کر رکھا ہے۔ کہ "باپ کے بعد بیٹا" کسی کی شکل میں اس کا علمی و روحانی اور سیاسی وارث نہیں ہو سکتا یہ تصور بھی صحیح نہیں [اور افسوس یہ ہے کہ ایسے عناصر اس کی تان صحابہ کرام علیہم الرضوان پر جا کھینچتے ہیں اور بعض جلیل المرتبت حضرات مثلاً حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ یہ نقطہ نظر صحیح نہیں بنیادی بات صلاحیت و اہلیت کی ہے۔

اور یہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے ہاں آج کل بطور خاص جو روش چل رہی ہے کہ مہتمم کا بیٹا مہتمم، شیخ طریقت کا بیٹا شیخ طریقت، سیاست دان کا بیٹا سیاست دان یا وہ ممالک جہاں شاہی نظام ہے وہاں ولی عہدی کا تصور اور باپ کے بعد بیٹے کی بادشاہی، اس تصور کو اسلام پسند نہیں کرتا۔

ماضی قریب کی مثالوں میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے بعد ان کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ اور حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کی جانشینی کسی بھی شک و شبہ سے بالا ہے اور یہ بالکل امر واقعہ ہے کہ یہ حضرات محض بڑوں کے صاحبزادگان ہونے کے سبب جانشین قرار نہیں پاتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانہ غیب سے انہیں اس کی صلاحیت بخشی تھی —— اسی طرح اگر صلاحیت ہے تو بسم اللہ ورنہ ایسا کرنا کسی بھی اعتبار سے صحیح اور درست نہیں اس میں ملک، قوم اور متعلقہ حلقہ کی بربادی کا احتمال ہی نہیں ہوتا بلکہ واقعۃً اس کے نتائج ایسے ہی بھیانک سامنے آتے ہیں۔

پنجاب کی ایک بہت بڑی خانقاہ کے شیخ طریقت جب دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کی اولاد سب کچھ کی وارث بن بیٹھی حالانکہ وہ اس کی اہل نہ تھی۔ پھر ان میں جو جھگڑا ہوا تو وہاں کا عظیم الشان کتب خانہ اس طرح تقسیم ہوا کہ ہر کتاب کے نصف ورق ایک نے لے لئے اور نصف ورق دوسرے نے —— آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ اس ظالمانہ عمل سے کتنا علمی نقصان ہوا یا مثلاً ایسے ناخلف صاحبزادگان آج ہمارے سامنے ہیں جو اپنے بزرگوں کی کتابوں اور ان کے ملفوظات کی "اصلاح" کر کے پرانی کتابوں کے نئے ایڈیشن چھاپ رہے ہیں۔ ان بزرگوں نے کسی صاحبِ علم، کسی شیخ طریقت، کسی مدرسہ، کسی ادارہ یا کسی جماعت کی تعریف کی تو آج کے صاحبزادگان کہتے ہیں کہ نہیں صاحب! ہمارے بڑوں نے جس کی تعریف کی وہ بھلا تعریف کا کہاں مستحق ہے؟ اور اس کا سبب وہی حماقت، نالائقی اور ناخلفی

(باقی ۳۴ پر)

یادِ رفتگاں

امامِ تجوید و قرأت
حضرت مولانا قاری محمد اسمٰعیل رحمہ اللہ تعالیٰ

تحریر: قاری محمد امین، لاہور

گذشتہ دنوں تجوید و قرأت کے امام حضرت قبلہ قاری محمد اسمٰعیل رحمہ اللہ تعالےٰ داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم صوبہ سرحد کے ایک گاؤں موضع کنڈہ ضلع مردان کے باشندہ تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں ہی حاصل کی۔ بعدازاں علمِ تجوید کی تحصیل کے لئے برصغیر کے نامور قرار کی خدمت میں حاضری دی اور نہایت ہی جانفشانی اور محنت سے علم تجوید کی تکمیل کی۔ تکمیل علم کے بعد امرتسر میں تدریس قرآن و تجوید کا آغاز کیا اور ہزاروں تشنگانِ علمِ تجوید کو سیراب کیا۔

حضرت قاری صاحب مرحوم تقسیم ملک کے بعد لاہور تشریف لائے اور مسجد چینیانوالی میں تجوید و قرأت کی تدریس کا آغاز کیا یہ وہ زمانہ تھا جبکہ اہالیانِ لاہور تجوید و قرأت سے بالکل ناواقف تھے۔ قاری صاحب مرحوم نے شبانہ روز محنت سے بڑے بڑے نامور قرار پیدا کئے آپ کے نامور تلامذہ میں سے چند کے اسمار گرامی حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ مولانا عبیداللہ صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ۔ (۲) مولانا عبدالرحمٰن صاحب (۳) مولانا عبدالرحیم صاحب (۴) قاری نور محمد صاحب قاری ریڈیو پاکستان (۵) قاری احمد دین صاحب مہتمم مدرسہ تجوید القرآن سریانوالہ بازار لاہور (۶) قاری آغا غیاث الرحمٰن صاحب (۷) قاری عبدالقوی صاحب مدرس مدینہ یونیورسٹی (۸) قاری عبدالرحمٰن صاحب قاری قومی اسمبلی۔

یہ تمام حضرات اپنے حلقوں میں تجوید و قرأت کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

قاری صاحب مرحوم کو اللہ پاک نے استغنا و فقر کی دولت سے نوازا تھا۔ آپ مجسمہ اخلاق، نہایت حلیم الطبع اور صحیح معنوں میں اکابر کی یادگار تھے۔ قاری صاحب مرحوم نے اپنے تلامذہ و احباب کے تعاون سے تجوید کی ایک عظیم درسگاہ کی بنیاد رکھی جو شاہ عالم چوک کے متصل آزاد پاکستان گلڈز میں واقع ہے۔ جہاں سینکڑوں کی تعداد میں مقامی و بیرونی طلباء تجوید و قرأت کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

آپ کی تواضع وانکساری کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی کوئی مہمان مدرسہ میں جاتا تو آپ اپنے ہاتھ سے کھانا اور چائے تیار کرتے اور خود ہی مہمان کی تواضع کرتے۔

حضرت قاری صاحب مرحوم امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص معتقد تھے راقم الحروف جب کبھی قاری صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ جانشینِ شیخ التفسیر مولانا عبیداللہ انور مدظلہ، کی خیریت معلوم کرتے۔

حضرت قاری صاحب مرحوم کے تین صاحبزادے ہیں جو بحمداللہ قاری و حافظ قرآن ہیں۔

آپ کے جانشین حضرت مولانا قاری فدار اللہ صاحب جامعہ اشرفیہ کے فارغ التحصیل ہیں ـــ اللہ پاک انہیں استقامت بخشے تاکہ اپنے عظیم باپ کے عظیم مشن کی تکمیل کر سکیں۔

قسط نمبر ۲

محمد طیب کشمیری

آزاد کشمیر میں دینی اصلاحات
ماضی اور حال کے آئینہ میں

۴۔ اسلامی قانون کی رُو سے مقدمات کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) بعض کا تعلق حقوق اللہ سے ہے ان میں نہ راضی نامہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی ان کو معاف کرنے کا کسی کو اختیار ہے (۲) اور بعض کا تعلق حقوق العباد سے ہے ان میں فریقین مالی صلح پر راضی نامہ بھی کر سکتے ہیں۔ دیت بھی وصول کی جا سکتی ہے۔ اور اولیار معاف بھی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ قصاص کے جملہ مقدمات کا تعلق حقوق العباد سے ہی ہے اور تعزیراتِ پاکستان کی متذکرہ بالا دفعات ۳۰۲، ۳۲۵، ۳۲۶ وغیرہ کا تعلق شرعی نقطۂ نظر سے قسم ثانی سے ہے۔ مگر "ہمارے قوانین" کی مہارت تامہ کو داد دیجئے۔ کہ انہوں نے اس تفریق کو بالکل ختم کر دیا اس لیے کہ ان کے نزدیک معافی یا صلح حاکم کی منظوری کے بعد ہی ممکن ہے اس لیے یہ قوانین حقوق اللہ میں تو داخل نہیں ہو سکتے اور اختیار چھن جانے کے باعث یہ مقدمات حقوق العباد میں بھی نہ رہے گویا انہوں نے ایک تیسری قسم ایجاد کر لی مگر ان کو یہ کیسے باور کرایا جائے کہ آپ کو شریعت میں مداخلت کا حق نہیں۔

۵۔ دفعہ نمبر ۲۶ جس کی جگہ اب ترمیم کی متذکرہ عبارت نے لی ہے مندرجہ ذیل ہے اس ایکٹ کے تحت حدود و قصاص کے جرائم میں دو بالغ مسلمان مرد اور دیگر تمام جرائم میں دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں جیسا کہ شرعی قانون کا منشا ہے، کا ہونا ضروری ہے۔

(ایکٹ نمبر (XI) ۱۹۷۴ ص $\frac{9}{10}$)

۶۔ دیت کی سزا چونکہ قصاص کے مقدمہ میں ضمناً عاید ہوتی ہے یعنی جبکہ شہادت قصاص کے معیار پر نہ ہو۔ تو قصاص ساقط ہو جائے گا پھر اگر اس سے دیت کے لزوم کا منشا پورا ہوتا ہو تو دیت لازم ہو جاتی ہے اور دیت کا تعلق مالی معاملات سے ہے اس کے ثبوت کے لیے وہ کڑی شرائط نہیں ہیں جو قصاص اور حدود کے مقدمات میں ملحوظ ہوتی ہیں۔

لیکن اس ترمیم کے بعد کورٹ انسپکٹر جب عدالت میں چالان پیش کرے گا تو پہلے دو مسلمان مرد بطور گواہ تلاش کرے گا اگر گواہ نہ ہوں تو اسی مقدمہ کو پینل کوڈ کے تحت دائر کرے گا اس صورتِ حال سے قصاص کا خاتمہ تو تھا ہی مگر قانون دیت تو حرف غلط کی طرح محو ہو کر رہ گیا ہے کیونکہ ایسی تو کوئی دفعہ موجود نہیں ہے کہ چالان دیت کی سزا کے لیے الگ سے دائر کیا جائے۔

۷۔ جس طرح حدود اللہ کو کوئی معاف نہیں کر سکتا اسی طرح بعض تعزیرات کے مقدمات بھی ایسے ہیں کہ معاف کرنے کا کسی کو اختیار نہیں یعنی نہ مستغیث معاف کر سکتا ہے اور نہ ہی حکومت، مثلاً سرقہ موجب تعزیر (جب عدالت میں دائر ہو جائے اور زنا موجب تعزیر کے مقدمات،

۸۔ - - - - - - - - - - - -
قائم شدہ عدالت مجاز میں پیش ہوں گے" یعنی ایسی صورت میں مقدمات کی سماعت صرف مجسٹریٹ صاحبان کریں گے۔ مگر سوال یہ ہے کہ سماعت کے پہلے طریقے کو کیوں بدلا گیا؟

ترمیم ۲۔ اسی طرح موجودہ حکومت نے ایک اور ترمیم کی ہے جس میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ اگر جس مقدمہ کی سزا تین سال سے زائد ہو تو اس کی سماعت ضلعی

عدالت میں ہوگی اور جس کی سزا تین سال سے کم ہو اس کی سماعت تحصیل عدالت میں ہوگی ـــــ آرڈیننس (۷۱ × ×) مجریہ ۲۰ فروری ۱۹۸۰ء)

۱- اس ترمیم میں .... ملاحظہ فرمائیں کہ تحصیل عدالت یا ضلعی عدالت میں جو مقدمات دائر ہوتے ہیں۔ ان کا تعلق صرف اسلامی تعزیراتی ایکٹ سے ہوتا ہے اور اس ایکٹ میں مذکورہ سزاؤں میں سالوں کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے کہ فلاں دفعہ کی سزا تین سال سے زاید ہے اور فلاں کی اس سے کم۔ جب تک یہ چیز واضح نہ ہو۔ اس وقت تک اس ترمیم کے ذریعے سوائے لوگوں کو ذہنی اذیت دینے کے اور کوئی امر معقول نظر نہیں آتا۔

۲- اس سے دوسرا نقص یہ ہے کہ اسلامی قانون میں قتل اور ضربات کے مقدمات میں سزاؤں کی ترتیب ملحوظ ہوتی ہے یعنی پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ آیا قصاص ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہوتا ہو تو دیت وغیرہ کی سزا عاید نہ ہوگی۔ بلکہ قصاص ہی متعین ہوگا اور دوسرے نمبر پر دیت کی سزا اور تیسرے نمبر پر حکومت عدل کی سزا کا لحاظ کیا جاتا ہے اور قید کی سزا اکیلی بھی دی جاسکتی ہے اور دیت یا حکومت عدل کے ساتھ تغلیظاً جمع بھی کی جاسکتی ہے۔ ایکٹ ۱۹۷۹ء کی دفعہ کے تحت ان سزاؤں کو اس ایکٹ میں متعین کیا گیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ آپ تحقیق کرنے سے قبل سزا کے پہلے تین درجے پھلانگ کر آخری درجہ یعنی قید کی سزا پر کس دلیل سے پہنچے ہیں۔؟

کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ نے سزاؤں کی وسعت کو ختم کر کے صرف ایک ہی سزا (قید) پر انحصار کیا ہے آخر آپ کو یہ اختیارات کہاں سے حاصل ہوئے۔؟

ترمیم ۳۔ ایک ترمیم ادا کی گئی ہے جس میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ اگر قتل کے مقدمہ میں دو سال تک سماعت مکمل نہ ہو تو ملزم کو ضمانت پر رہا کیا جائیگا۔ (آرڈیننس (× ۱ ×) مجریہ ۲۰ فروری ۱۹۸۰ء)

پہلی دونوں ترمیمات کی طرح یہ ترمیم بھی اسلامی قانون کی نظر میں کافی خامیوں کی حامل ہے جس کی کچھ تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

(۱) شہادت کی قلمبندی سے قبل ضمانت کا درجہ شریعت کی رُو سے صرف جواز کا ہے وجوب کا نہیں اور شہادت کی قلمبندی کے بعد عدالت چونکہ فوری طور پر فیصلہ کرنے کی پابند ہے اس لیے شہادت کے بعد ضمانت کے جواز کا مسئلہ بھی ختم ہو جاتا ہے فقہ کا مشہور جملہ لاکفالة فی الحدود والقصاص اسی معنی کو ادا کرتا ہے مگر اس ترمیم کی وجہ سے شریعت کا یہ مزاج ختم ہو کر رہ گیا ہے کیونکہ دو سال تک اگر سماعت مکمل نہ ہو تو ملزم کو ضمانت پر رہا کرنا ہوگا خواہ شہادت کا معتدبہ حصہ گذر بھی چکا ہو۔

۲- غالباً اس ترمیم سے ملزم پر مہربانی کرنی مقصود ہے کہ وہ سزا کے فیصلہ سے قبل ہی سزا کاٹ رہا ہے لہٰذا اس کو رہا کیا جائے یہ احساس بالکل درست اور معقول ہے مگر اس کے حل کے لیے متذکرہ بالا راستہ اختیار کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ بہتر حل یہ ہے کہ فیصلہ میں تاخیر کے جملہ اسباب و موانع کو دُور کیا جائے۔

۳- علاوہ ازیں اس ترمیم سے انتظامی نوعیت کی مشکلات میں بھی اضافہ ہوگا۔ مثلاً یہ کہ رہا ہونے کے بعد ملزم مزید گواہوں کو ترغیب و ترہیب کے ذریعے شہادت سے پھسلانے کی کوشش کرے گا جتے کہ ان کو مالی یا جانی نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔ جہاں پہلے سے لوگ گواہی دینے کو تیار نہیں ہوتے وہاں اس صورتحال کے بعد اپنی جان پر کھیل کر کون شہادت دینے عدالت میں حاضر ہوگا اس سے جھوٹے گواہوں کو بھی آگے آنے کا ایک نادر موقع ملے گا اور شرفاء پس پردہ میں چلے جائیں گے۔

آخری گذارش

آزاد کشمیر کے موجودہ صدر انتہائی شریف انسان ہیں جنگ آزادی میں وہ بذاتِ خود جہاد میں شریک تھے اور ملک کو آزاد کرانے میں ان کا کافی کردار ہے اس لیے ہمیں ان سے تو یہ توقع نہیں ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے۔ ان کی ذاتی دلچسپی سے ہو رہا ہے بلکہ صدر موصوف کے دورہ کراچی کے دوران جو انہوں

(باقی صفحہ ۶ پر)

آخری قسط

تفہیم قرآن کیلئے چند اصول

مولانا محمد اسحاق قادری

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے پچیس آیات میں نسخ مانا ہے اور شیخ ابن عربیؒ نے بیس آیات میں اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ان کا جواب دیا اور پانچ آیات منسوخ مان کر دو کا اور جواب دیا ہے۔ صرف تین آیات کو منسوخ رکھا ہے۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم ومغفور نے حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کو قرآن مجید پڑھاتے ہوئے ان کا جواب بھی لکھوایا اور یوں فرمایا کہ جن آیات میں نسخ مانا جاتا ہے وہاں دراصل تعمیم وتخصیص تھی یا وہ حکم فرض یا واجب نہ تھے لوگ ان کو عملاً واجب و فرض خیال کرنے لگے۔ سو دوسری آیت نے اس کو واضح کر دیا کہ اس پر عمل واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

جن کو منسوخ التلاوۃ کہا جاتا ہے دراصل وہ قرآن پاک کی آیات نہیں بلکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)، کی تفسیر تھی جن کو صحابہ کرام نے تبرکاً اپنے مصحف میں لکھ رکھا تھا۔ جب قرآن مجید کو ایک جگہ جمع کیا گیا تو ان تفسیری جملوں کو ترک کر دیا گیا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی عادت مبارک یہ معلوم ہوتی ہے کہ خود ہی دوسری آیات سے پہلی کی تفسیر فرماتا ہے اسی لیے قرآن مجید میں واؤ اکثر تفسیر کے لیے آتی ہے۔

اب اعتراض یہ ذہن میں آتا ہے کہ کیا ان حضرات کا علم کم تھا نہیں بلکہ علم تو زیادہ تھا صرف ضرورت نہ پڑی اور ضرورت ایجاد کی ماں ہے لہٰذا ان آیات کا مصرف ان کے ذہن میں آیا کہ بجائے حدیث مبارک یا قیاس سے یہ مسئلہ استنباط کیا جائے کیونکہ قرآن مجید سے اجمالاً معلوم کر کے تفصیل احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو جائے۔ یہ زیادہ مناسب ہے۔

جن آیات میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے نسخ مانا ہے وہ تین آیات مندرجہ ذیل ہیں۔

کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرنِ الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف حقاً علی المتقین۔ سورۃ البقر آیت ۱۸۰ اس کو سورۃ النساء آیت ۱۱ ـ یوصیکم اللہ ـ للذکر مثل حظ الانثیین سے منسوخ مانا جاتا ہے یا۔ لاوصیۃ لوارث (حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم)، مگر حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اختلاف دین کی وجہ سے باپ اور ماں وراثت کے حق دار نہیں مثلاً بیٹا مسلمان ہو اور اس کے ماں باپ کافر تو وراثت نہیں ملے گی۔ اب بیٹے کو حکم دیا جاتا ہے کہ ماں باپ عزیز و اقربا کے لیے وصیت کرے حضرت مولانا سندھیؒ کو اس امر کی ضرورت پیش آئی کیونکہ آپ کی والدہ محترمہ کفر کی حالت میں موجود تھیں ہرچند دعوت اسلام دی لیکن (لا اکراہ فی الدین) مجبور کی نہ تھی تو اس آیت سے اپنے لیے یہ مسئلہ سمجھ میں آیا لہٰذا یہ آیت منسوخ نہ ہوئی اس لیے اسلام اور قرآن مجید کی خوبی اور واضح ہوئی کہ باوجودیکہ اختلاف دین کے قرآن مجید غیروں پر بھی شفقت کا حکم دیتا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ چونکہ نسلاً بعد نسلٍ مسلمان تھے اس لیے ان کے ذہن میں یہ بات نہ آئی۔

(۲) سورہ انفال آیت نمبر ۶۵۔ ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین الخ کو بعد والی آیت نمبر ۶۶ سے منسوخ مانا جاتا ہے چونکہ وہ حضرات سیاسی نہ تھے اس لیے

ان کے ذہن میں یہ بات واضح نہ ہوئی مولانا چونکہ سیاسی بھی تھے اور جنگ لڑی تھی وہ فرماتے ہیں دس کے مقابلہ میں لڑنا مستحب ہے یعنی ایسے وقت میں بھی جہاد سے نہ بھاگے بلکہ مقابلہ کے لیے تیار ہو جائے اور دو کے مقابلہ میں تو فرض عین ہے

(۳) سورۃ المجادلہ یاایھا الذین آمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجوٰکم صدقۃ - ایت ۱۲ کو آیت ۱۳ سے منسوخ مانا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے بھی حکم وجوبی نہ تھا بلکہ آوارہ مزاج منافقوں کو روکنے کے لیے تھا تاکہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت ضائع نہ کریں نہ یہ روپیہ خرچ کریں گے اور نہ خواہ مخواہ سمع خراشی اور وقت ضائع کریں گے لہٰذا آپ بھی اس کا حکم استحبابی موجود ہے کہ لوگ بزرگوں کا وقت جو کہ قیمتی ہے ضائع نہ کریں۔

۱۷۔ اقسام تفسیر، تفسیر بالرائے اور تفسیر مقبول و منقول

تفسیر بالرائے سے صحابہ کرام اور سلف صالحین کی روحیں کانپتی تھیں اب اس کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ سیاق وسباق ماقبل و مابعد کی پرواہ کئے بغیر قواعد عربیت وتفسیر بالرائے یہ ہے کہ لغت عربیت سے نظر ہٹا کر صحابہ کرام اور تابعین تبع تابعین کے مطالب کی پرواہ کئے بغیر کسی آیت کا ایسا مفہوم و مطلب بیان کرنا جو دین کے مقررہ اصولوں کے خلاف اور متصادم ہو۔ عربی قواعد کے خلاف ہو یا صحابہ کرامؓ کی عام ذہنیت اجماع امتِ مسلمہ کے خلاف ہو۔

حاصل اس کا یہ ہے کہ کوئی مفہوم ذہنی طور پر متعین کرکے یا کوئی مسئلہ فرضی بنا کر اس کی تائید قرآن مجید اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کی جائے اور کھینچ تان کر اسی کو ثابت کیا جائے جیسا کہ آجکل عام طور پر ہو رہا ہے اس سے ہدایت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا اور اسلام کا صحیح طریقہ ادا نہیں ہوگا بلکہ وکیل محنتانہ کا ساحق ادا ہوگا۔ جس میں مجرم کو بری کرایا جاتا ہے اور سرکار کے حکم کی چنداں پرواہ نہیں کی جاتی حالانکہ ہم کسی کو چھڑانے والے کون ہیں وہ اپنے اختیار سے جس کو چاہے معاف کرے۔ قانون کی زد میں جو آئے آتے سرکاری وکیل کی حیثیت سے بحث کرے اور مسئلہ بتائے لیکن جدید تعلیم یافتہ حضرات کو سمجھانے کے لیے اور ہدایت پر لانے کے لیے کسی آیت کی ایسی تاویل اور تفسیر کرنا جس سے وہ مسئلہ کتاب اللہ اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہو جائے اور منقول و معقول نظر آئے جائز ہے بلکہ بہتر ہوگا اسی لیے سرکاری ملازم وکیل کی مثال دی گئی ہے۔

تفسیر مقبول وصحیح وہ تفسیر ہے جس کا ذکر شاہ عبدالعزیزؒ نے تفسیر عزیزی میں سورہ القیٰمہ کی تفسیر کرتے ہوئے کیا ہے اور قواعد عربیّت اور لغت عربیّت کے موافق ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ کی عام ذہنیت کے مخالف نہ ہو۔ - اس کا طریقہ یہی ہے کہ انسان خالی ذہن ہو کر قرآن مجید کو پڑھے اور اگر ارشادات خداوندی عقل کے مطابق ہوں اس کو قبول کرے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اسی کو قبول کرے اور اگر خدانخواستہ عقل اس کو قبول نہ کرے تو اپنی عقل کو نقل کے تابع کرے اسی میں اس کی خوبی اور بھلائی ہے اور اسی میں نجات ہے۔

۱۸۔ ربط آیات، یعنی ایک آیت کا دوسری آیت سے جوڑ اور تعلق اس کی دو دلیلیں ہیں عقلی اور نقلی۔

•

تفسیر خازن میں علامہ خازن نے بیان فرمایا کہ قرآن مجید تئیس ۲۳ سال میں نازل ہوا نیز روایات صحیحہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ ایک ہی وقت میں کئی کئی سورتوں کا نزول ہوتا رہا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو فرماتے کہ اس آیت کو فلاں سورت کی فلاں آیت کے ساتھ لکھ لو اور یاد کر لو۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اہتمام صراحتاً ظاہر کرتا ہے کہ آیات کے درمیان شارح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہ میں ضرور بالضرور ربط اور ترتیب ملحوظ تھی بلکہ اس کی خاص اہمیّت تھی ورنہ ہر آیت کو بغیر کسی تعین کے جوں کا توں جمع کر دیا جاتا۔ لہٰذا آیات کا بھی آپس میں ربط ہے اور سورتوں کا بھی۔

مثلاً سورۃ البقر یاایھا الناس سے اگرچہ خطاب عام ہے لیکن ربط آیات کے اعتبار سے دوسرے نمبر کے منافقین جن کا ذکر اوپر والی آیات میں اوکصیّب من السّماء میں ہے ان کی اصلاح کی گئی ہے کیونکہ پہلی قسم کے منافقین جو بانی اور لیڈر قسم کے ہیں ان کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔

لہٰذا اس رکوع کا خلاصہ یہ ہوگا کہ تذکیر بالاء اللہ سے دوسرے نمبر کے منافقین کی اصلاح کا قانون، یعنی جس کی تمام نعمتیں استعمال کرتے ہو اسی کے ساتھ تعلق رکھو، اور اس کی کتاب اور ہدایات کو تسلیم کرو۔

دوسری مثال سورہ مائدہ رکوع ۱۱ تک یہود و نصاریٰ کے حالات اور ان سے علیحدگی کی تعلیم تھی اس کے بعد کھانے پینے کی اشیاء کا ذکر ہے تو ربط کی وجہ سے یہی کہا جائے گا۔ کہ جب تم دورۂ تبلیغ کے لیے سفر کرو تو افراط و تفریط سے پرہیز کرو یعنی حرام اور حلال میں، قانون الٰہی پر عمل کرنا، اس میں کمی بیشی نہ کرنا۔ اور اصلی دین پھیلانا۔

اس پر حضرت استاد المحترم مولانا احمد علی لاہوری مرحوم ومغفور یہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر ان آیات کو علیحدہ کرکے بھی مطلب واضح اور درست ہے لیکن ربط آیات کو ملحوظ رکھتے ہوتے یہ کہا جائیگا کہ دورۂ تبلیغ میں افراط وتفریط سے پرہیز لازمی ہے۔

عقلی دلیل: قرآن مجید میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ بعض سورتیں چھوٹی اور مختصر ہیں۔ جیسے سورۃ اخلاص، سورہ نصر، سورۃ کوثر اور بعض بہت ہی بڑی سورۃ بقر، سورۃ نساء، وغیرہ اس سے ثابت ہوا کہ ان میں مضمون طویل تھا جو کہ اڑھائی پاروں میں پورا ہوا اور بعض مضمون مختصر تھا۔ چند آیات میں پورا سمٹ گیا۔ لہٰذا قرآن مجید کو باربط اور مربوط سمجھنا لوازمات

قرآن مجید میں سے ہے جیسا کہ تمام مصنفین اپنی اپنی کتابوں میں ملحوظ رکھتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اس میں ربط کیوں نہ ہوگا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ چونکہ قرآن مجید تیئس سال میں مختلف وقتوں اور جگہوں میں نازل ہوا اس لیے بے جوڑ اور بے ربط ہے۔ نیز بکھرے ہوئے موتی ہیں ان میں ربط کی ضرورت نہیں بعض کا خیال ہے کہ فرامین شاہی ہیں اس لیے ان ربط کی ضرورت نہیں یہ خیال قرآن مجید کے بارے میں مناسب نہیں اس کمی کو پورا کرنے کے لیے یہ یہ خلاصہ جات تحریر کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ آمین۔ ان عنوانات سے آپ قرآن مجید کو مربوط پائیں گے۔

۱۹۔ ربط دینے کے لیے تمام اقوال کو لے کر ربط دینا مشکل ہوگا۔ بلکہ کسی ایک قول کو لے کر ربط دے دیا جائے گا مثلاً: لا تاکلوا الربٰوا اضعافاً مضاعفۃ: سورۃ آلِ عمران آیت نمبر ۱۳۰ جنگ احد میں شہداء احد کا مثلہ کیا گیا تھا۔ آنکھ کان ناک، دل چیرا گیا تھا۔ تو صحابہؓ نے لنمثلن کا لفظ کہدیا کہ ہم بھی کئی کئی کا مثلہ کریں گے کیونکہ ماقبل اور مابعد میں جنگ کا ذکر ہے اس لئے ربط میں ربوٰا سے مراد روپیہ میں ربوٰ نہیں۔ بلکہ میدانِ جنگ میں ربوٰ مراد ہے تاکہ ربط قائم ہو سکے ایسے ہی ہر سورۃ کا آئندہ سورۃ سے ربط کا طریقہ بھی یہی ہوگا کہ کسی مضمون کو لے کر ربط قائم کر دیا جائے چنانچہ سورۃ والضحیٰ سے پہلے لیل میں مرضی کا لفظ ہے تو آئندہ راضی ہونے کا طریقہ بیان کیا کہ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ۔ بے سہارے پر سختی مت کرو، اور سائل کو جھڑکو نہیں اور اپنے رب کی نعمتوں کا تم پر اثر ظاہر ہونا چاہیئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا تبحر علمی اور ان کی خداداد ذہنیت عقل و تدبر جس کی نظیر وہ آپ ہی تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا درجہ اور مرتبہ اس سے واضح ہوتا ہے کہ تمام علماء ہند و پاکستان کی اسناد کا سلسلہ انہیں تک ختم ہوتا ہے، قرآن مجید کو انہیں کے اصولوں پر حل کیا جائے گا جن کا ذکر فوز الکبیر، خیر کثیر، حجۃ اللہ البالغہ، بدور البازغہ وغیرہ کتب میں مفصل بیان ہوا۔

۲۱۔ جو کچھ بیان کیا جائے گا وہ ایک ایسی شخصیت کی طرف سے ہوگا جو جامعیتِ علوم، سخاوت، سیاست میں یکتا تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ما من مولود الا یولد علی الفطرۃ فابواہ یہودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ لیعنی ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی بنالیں یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔ وہ شخصیت امام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم تھے جو کہ چھوٹی عمر میں ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ پھر علوم وفنون حاصل کئے ان کی فطرت سلیمہ تھی جس پر قرآن مجید نے خصوصی اثر کیا اور اصلی رنگ چڑھایا انہوں نے سمجھا کہ جو کچھ اِدھر اُدھر سے آیا سب غلط ہے نیز سلیٹ صاف تھی اس وجہ سے

قرآن مجید کو اصل سمجھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو اس کی تشریح اور تفسیر خیال کیا۔ عرب لوگ بھی آپ کی فطانت اور قرآن دانی کا سکہ مان گئے جیسا کہ مشہور ہے کہ قرآن مجید نازل ہُوا مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں پڑھا گیا مصر میں لکھا گیا بیروت میں چھپا۔ استنبول میں اور سمجھا گیا پاکستان و ہند میں آپ گیارہ برس تک مکہ مکرمہ میں قرآن مجید پڑھاتے رہے۔

ایک مرتبہ عربیوں نے قرآن مجید کا موضوع لہ دریافت کیا کہ کونسی آیت ہے اس مجمع میں ہر قسم کے لوگ موجود تھے بڑے بڑے فضلا و عقلا و علماء کسی سے موضوع لہ کی آیت کا تعین نہ ہو سکا آخر میں حضرت سندھی مرحوم نے جب اس آیت کی غمازی فرمائی، ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ وکفیٰ باللہ شھیدا (سورہ توبہ آیت ۳۳) سورۃ الفتح آیت ۲۸۔ تو ہر طرف سے سراہا گیا۔ اور تحسین و آفرین کے پھول نچھاور کئے گئے انہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ رحؒ کی کتابوں کی روشنی میں سالہا سال شبانہ روز کی دماغی کاوش سے جو کچھ اخذ کیا وہ بلا کم و بیش قطب الاقطاب حضرت مولانا احمد علیؒ کو پڑھایا انہوں نے اپنے خصوصی ذہانت سے اس میں مزید حسن پیدا کیا ان سے احقر نے سنہ ۱۳۶۱ھ میں بفضلہ تعالیٰ حاصل کیا اور اب تک بحمداللہ اسی کی نشر و اشاعت میں دن گزر رہے ہیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مزید توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا الہ العالمین آمین۔

بقیہ: احادیث الرسولؐ

بلکہ حالات کی تبدیلی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اس کی منشاء کے بغیر کوئی کام نہیں ہوگا۔ جب یہ حقیقت ہے تو پھر اس شورا شوری کا کیا فائدہ؟ اور اس ہنگامہ آرائی سے کیا مطلب؟

جو حدیث اوپر نقل کی گئی ہے جس کے راوی حضور علیہ السلام کے برادر نسبتی۔ امت کے ماموں حضور علیہ السلام کے کاتب اور خلفاء ثلٰثہ علیہم الرضوان کے معتمد ساتھی حضرت معاویہ ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس میں حضور سرورِ کائنات علیہ السلام یہی ارشاد فرماتے ہیں کہ کسی چیز کے معاملہ میں جلدبازی سے کام نہ لو۔ تمہارا یہ سوچنا کہ جلدبازی سے وہ چیز تمہیں مل جائے گی صحیح نہیں۔ اگر وہ چیز اللہ تعالےٰ نے تمہارے مقدّر میں نہیں لکھی اور اس کا ملنا تمہارے لئے اللہ کے علم کے مطابق صحیح نہیں تو وہ چیز تمہیں کبھی نہ مل سکے گی پھر اس جلد بازی کا فائدہ؟ اور کسی چیز کی تاخیر کے سبب یہ نہ سوچو کہ تاخیر کی وجہ سے کوئی چیز تمہیں نہ مل سکے گی۔ نہیں، اگر اللہ تعالےٰ نے تمہارے لئے کوئی چیز مقدّر کر دی ہے تو وہ بہرحال مل کر رہے گی —— رہ گئی تاخیر تو اس میں اللہ تعالےٰ کی کوئی مصلحت ہو گی۔

دعا کے متعلق بھی اسی قسم کی ہدایات ہیں۔ انسان جب خدا سے کچھ مانگتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ مَیں نے جو مانگا ہے، جس شکل میں مانگا ہے اسی شکل میں فوری طور پر پورا ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت سمجھتی ہے کہ یہ چیز بعینہٖ دینے میں بندہ کا فائدہ ہے یا نہیں؟ اور بعینہٖ تاخیر سے دینے میں فائدہ ہے یا نقصان؟ پھر ذات حق یہ بھی جانتی ہے کہ اس چیز کا نعم البدل دنیا یا آخرت میں بندہ کے حق میں کیسا ہوگا —— وہ ذات پاک ان تمام مصالح اور حکمتوں کی روشنی میں بندے کے ساتھ معاملہ کرتی ہے —— گویا اس حدیث میں ایک بہت ہی اہم اصول ذکر فرما دیا گیا ہے کہ انسان کو جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیئے اللہ تعالیٰ کی عنایت و مہربانی، اس کی حکمت بالغہ پر نظر رہنی چاہیئے، اسی میں بھلا ہے اسی میں فائدہ!

اللہ تعالیٰ اپنی عنایت و مہربانی سے ہمیں صحیح راہ پر چلنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین!

چند گھنٹے ربوہ میں

تحریر: محمد سعید الرحمٰن علوی

بہت دنوں سے احقر کی خواہش تھی کہ ربوہ جاؤں اور وہاں مجلس تحفظ ختم نبوت کی مساعی سے بننے والے علمی اور دینی مراکز کو ایک نظر دیکھ سکوں۔ مجلس کی طرف سے وہاں متعین خطیب برادرم مولوی اللہ وسایا صاحب کا بھی خاصا اصرار تھا لیکن ہر کام کا وقت مقرّر ہے آج کل میں تاخیر ہوتی چلی گئی تا آنکہ کچھ روز پہلے چنیوٹ میں منعقدہ ختم نبوت کانفرنس کے موقع پر اس کا موقع ہر ہی گیا۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ واپسی پر یہ سطور نہ لکھ سکا۔ اور غم دوراں نے گھیرے رکھا۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے تو چند باتیں پیش خدمت ہیں۔

لاہور سے سرگودھا جاتے ہوئے مین روڈ پر مشہور قصبہ چنیوٹ ہے جس کو مغل بادشاہ شاہ جہان کے وزیر اعظم سعداللہ کی جنم بھومی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس کی خوبصورت مسجد شاہی اب بھی موجود ہے۔ اس میں خطبہ و نماز کا بھی اہتمام ہے اور دیگر تبلیغی پروگرام بھی وہاں ہوتے رہتے ہیں۔ چنیوٹ کے شمالی کنارے دریائے چناب بہتا ہے جس کی خونی لہروں کا چنیوٹ کئی مرتبہ شکار ہوا ہے اب کچھ سال پہلے ایک بند کا اہتمام کیا گیا ہے جس سے کسی درجہ میں حالت بہتر ہو گئی ہے دریائے چناب کے شمالی کنارے پہاڑ ہیں انہی کے دامن میں ربوہ نامی قصبہ آباد کیا گیا ہے جو مرزا غلام احمد کی اولاد اور اس کی جماعت کا مستقر اور مرکز ہے اس جماعت کے سربراہ اور بانی نے انگریزی دور میں جس پس منظر میں بتدریج مختلف دعاوی کر کے اپنے آپ کو نبوّت کے منصب پر لا کھڑا کیا۔ اس داستان کے مالہ و ماعلیہ سے ایک دنیا واقف ہے۔ دجل و فریب کی اس تحریک کے خلاف علماءِ ربانی اور صلحائے ملّت کی سعی و کوشش کا بھی ایک زمانہ کو علم ہے —— بدقسمتی یہ ہوئی کہ تقسیم ملک کے بعد مسلم لیگی حکومت کی کارفرمائیوں کے سبب اتنی بڑی جگہ کوڑیوں کے بھاؤ مل گئی اور اس سازشی جماعت نے قرآن حکیم کے ایک لفظ "ربوہ" کو منتخب کر کے اپنے مستقر کا نام رکھ لیا اور اس طرح دجل و فریب کا ایک نیا جال بچھا دیا۔ اس جماعت نے پاکستان میں جس طرح پَر پُرزے پھیلائے، اس سے کون واقف نہیں؟ دنیا کے متعدد ممالک سے ہمارے تعلقات کی خرابی کا سبب اس جماعت کے ایک اہم رکن ظفراللہ خاں کی مخصوص حکمتِ عملی ہے جس پر اس نے اپنی وزارتِ خارجہ کے زمانہ میں عمل کیا۔ اسی طرح کے متعدد مسائل ہیں جو تنہا اس جماعت کے پیدا کردہ ہیں۔ سنہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت جس میں امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، خطیب پاکستان قاضی احسان احمد متکلم اسلام مولانا محمد علی جالندہری، مجاہدِ ملت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے حضرات کا بنیادی کردار تھا اور ان حضرات نے اپنی بیدار مغزی سے مولانا سید ابوالحسنات جیسے حضرات کو شامل تحریک کر کے انہیں قیادت کا منصب سونپ دیا اس میں جو خون خرابہ ہُوا وہ یہاں کی لیگی حکومت کے ماتھے پر وہ کلنک

کا ٹیکہ ہے کہ توبہ بھلی۔ مودودی صاحب نے اس تحریک سے لاتعلقی کا رخ اختیار کرکے جس طرح لوگوں کو مایوس کیا۔ وہ بھی ایک المیہ ہے۔ بہرحال وقت گذرتا رہا تا آنکہ ۱۹۷۴ء آیا۔ جس میں یہاں ایک ایسے سیاست دان کی حکومت تھی جس کے متعلق جو کچھ کہا جائے کم ہے۔ اسی زمانہ میں پھر یہاں تحریک پروان چڑھی۔ اس کے قائد حضرت العلام السید محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ تھے اسمبلی کے اندر مولانا مفتی محمود مولانا عبدالحق حقانی جیسے حضرات سرگرم عمل تھے۔ پوری قوم متفق اللسان تھی جس کے نتیجہ میں مرزائی آئینی طور پر غیرمسلم اقلیت قرار پائے۔ غیرمسلم اقلیت قرار پانے کے کچھ آئینی تقاضے تھے جن میں ایک تو یہ تھا کہ انہیں کلیدی آسامیوں سے ہٹایا جاتے لیکن ابھی تک ایسا نہیں ہوا۔ ربوہ کو کھلا شہر قرار دینے والی بات تھی وہ کسی درجہ میں ہو گئی اور وہاں ربوہ سے متصل ایک بڑا رقبہ "مسلم کالونی" کے نام سے مسلمانوں کو الاٹ ہوا اس کے علاوہ شہر ربوہ میں مسلمانوں کو یہ موقع ملا کہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم کے لائے ہوئے سچے دین کا پرچار کرسکیں۔ اس سلسلہ کی مختصر روئیداد کچھ اس طرح ہے کہ جنوری ۱۹۷۵ء میں آر۔ ایم صاحب کی عدالت کے احاطہ میں نماز پنجگانہ اور جمعہ کا اہتمام ہوا۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ برادر مکرم مولانا عزیز الرحمٰن خورشید امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ پھر یہ سعادت مولانا محمد شریف احرار کے حصہ میں آئی۔ پھر مولانا خدابخش صاحب اس خدمت کو انجام دیتے رہے اس وقت چونکہ ہفتہ وار تعطیل جمعہ کی بجائے اتوار کو ہوتی تھی اس لیے وہاں جمعہ باقاعدہ ہوتا تھا۔ ۳۱ر جنوری ۱۹۷۶ء کو ریلوے سٹیشن ربوہ کے متصل مسجد محمدیہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا مجلس کے بزرگ رہنما مولانا تاج محمود کی سعی سے یہ جگہ حاصل ہوئی انہوں نے ریلوے انسپکشن ٹیم کو جگہ کے لیے توجہ دلائی مسجد کا نام بھی مولانا تاج محمود صاحب نے تجویز کیا سیالکوٹ، گوجرانوالہ، چنیوٹ، فیصل آباد، سرگودھا وغیرہ کے جماعتی دوستوں نے مالیات فراہم کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ جب مسجد کی شکل بن گئی تو قاری شبیر احمد عثمانی کو وہاں امام متعین کیا گیا ابتداء میں جمعہ مولانا خدابخش پڑھاتے اور اب مولانا اللہ وسایا صاحب پڑھا رہے ہیں۔ باقی ذمہ داریاں حسب معمول قاری صاحب ادا کررہے ہیں۔ سال ۱۹۷۹ء میں جمعہ کے موقع پر (کانفرنس کے دوران) حضرت اقدس مولانا خان محمد صاحب زید مجدہم صدر مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان و سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ مجددیہ کندیاں شریف نے شرکت کی۔ امسال ضیغم احرار مفکر ملت مجاہد اعظم مولانا غلام غوث ہزاروی قدس سرہٗ حضرت امیر مرکزیہ، مولانا تاج محمود، مولانا عبدالحق آزاد اور میاں فضل حق وغیرہ نے شرکت کی۔

احقر اپنے برادر محترم مولانا عزیز الرحمٰن خورشید، محب مکرم عبدالحکیم شیخ سمیت مولانا اللہ وسایا کی معیت میں مسجد پہنچے تو طبیعت بڑی مسرور ہوئی۔ مسجد کا ہال ۳۵ × ۶۲ پر مشتمل ہے برآمدہ اور صحن بہت بڑا ہے۔ مسجد کے جنوبی حصہ میں ایک بڑا ہال نما کمرہ ہے جو امام مسجد کی قیام گاہ اور درس گاہ ہے یہاں بحمداللہ بیرونی طلباء بھی زیرتعلیم ہیں جب ہم لوگ وہاں مسجد کو دیکھ رہے تھے تو چنیوٹ اور ربوہ کے بعض ذمہ دار حکام سے ملنا ہوا۔ وہ گذشتہ روز کے جمعہ کے اجتماع پر بہت خوش تھے معلوم ہوا کہ مسجد پوری، اوپر کا حصہ اور باہر دور دور تک حاضرین موجود تھے اور یہ ہزاروں افراد اللہ کے حضور سجدہ ریز تھے اور اس بات پر خدا کا شکر ادا کررہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس خطہ میں حضور ختمی مرتبت علیہ السلام کی ختم نبوت کا آوازہ حق بلند کرنے کی توفیق دی ——— واقعہ یہ ہے کہ آج حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، علماء لدھیانہ، علامہ سید انور شاہ کشمیری۔ امیر شریعت بخاری اور ان کا پورا قافلہ، مجلس احرار اسلام کے رہنما اور اس کی جانشین مجلس تحفظ ختم نبوت کے رہنماؤں کی روحیں عالم بالا میں کتنی مسرور ہوں گی جن کی شبانہ روز جدوجہد سے منزل مراد ملی۔ ان کے ساتھ ساتھ مجھے حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی، مولانا سید ابوالحسنات قادری، مولانا سید محمد داؤد غزنوی سبھی یاد آنے لگے جو اس معرکہ میں علماء دیوبند کے قدم بقدم تھے۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

اس مسجد میں چار سال سے ۱۲ر ربیع الاول کو سیرت کانفرنس منعقد ہوتی ہے جب کہ ۲۹ر مئی (جب واقعہ ربوہ پیش آیا)، ۷ر ستمبر

(جب ان کو آئینی طور پر غیرمسلم اقلیت قرار دیا گیا) اور شب براءۃ نیز ۲۷ر رمضان المبارک کو بڑے اہتمام سے شبینے منعقد ہوتے ہیں۔ جن میں صف اول کے قراء اور حفاظ جس ذوق وشوق سے قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ ملک وبیرون ملک کے اکابر علماء، صلحاء اور اہل دل یہاں تشریف لاتے اور رو رو کر اللہ کے حضور دعائیں کرتے ہیں کہ رب العزت مجلس ختم نبوت کی اس مساعی کو قبول فرمائے ———. ان حضرات کی دعائیں اور مجلس کی مساعی رنگ لا رہی ہے۔ ہم نے ربوہ کے مخصوص علاقوں میں خوب دھول اڑتے دیکھی باوجودیکہ اس موقع پر ساری دنیا کے یہاں جمع تھے اور خوب انتظامات تھے لیکن "کلمہ خبیثہ" تو قرآن کی روشنی میں بہرحال حنظل کی بیل ہے جس کو ثبات وقرار نہیں اور جس کا پھل انتہائی کڑوا ہے۔

مسجد محمدیہ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے بعد ہم لوگ تانگہ میں سوار مسلم کالونی گئے۔ مرزائیوں کا اجتماع ختم ہونے والا تھا۔ ان کا سربراہ آخری خطاب کے لیے نکلنے والا تھا جس کے لیے زبردست اہتمام تھا "ہیڈ آف دی سٹیٹ" کے انداز میں اس کا جلوس گزرا لیکن اب سے چند برس پہلے سڑکوں پر دو روپیہ حاضری نام کی تھی جس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس غبارے سے ہوا نکل رہی ہے ——— ضرورت صرف اتنی ہے کہ ۱۹۷۴ء کی آئینی ترمیم کو موثر بنایا جائے اور اس کے تقاضے پورے ہوں۔

مسلم کالونی کا کل رقبہ پچاس ایکڑ ہے اس میں سے تیس ایکڑ مرزائیوں سے باقی علاقہ کے زمینداروں سے ۱جون ۱۹۷۶ء میں الاٹ اور رقبہ کی تکمیل ہوئی۔ تو حضرت مولانا خان محمد صاحب تشریف لائے اور پہلی نماز پڑھائی۔ اکتوبر ۱۹۷۹ء میں حضرت العلام الشیخ بنوری قدس سرہٗ کے حکم سے جو اس وقت بقید حیات اور مجلس کے صدر تھے۔ مولانا خان محمد نے مسجد کا سنگ بنیاد رکھا اس مسجد کا ہال ۳۵ × ۷۰ ہے۔ برآمدہ ۱۴ فٹ۔ اور صحن ۱۰۰ فٹ ہے۔ مسجد کی چھت باقی ہے وہ عنقریب مکمل ہو جائے گی۔ مسجد کے دائیں طرف آٹھ کمرے مکمل ہو چکے ہیں۔ برآمدہ بھی قریب قریب مکمل ہے۔ عقبی طرف دو کمرے ہیں۔ جہاں دفتر اور قاری صاحب کی رہائش گاہ ہے قاری منیر احمد صاحب یہاں مدرس ہیں بیرونی طلباء زیرتعلیم ہیں۔ مطبخ کا ان کے لیے معقول انتظام ہے اور مقامی بچے الگ ہیں۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے اس کام کی نگرانی اپنے ہاتھ میں لی ہے اور بڑی خوش اسلوبی سے سارے کام ہو رہے ہیں مجلس نے پانی کے لیے ٹیوب ویل کا انتظام کیا ہے جس کا پانی بہت شیریں ہے بجلی اور فون کی سہولتیں موجود ہیں فون نمبر ۶۶۴ ہے۔ ربوہ کو پانچ اضلاع یعنی سرگودھا، میانوالی، شیخوپورہ جھنگ اور فیصل آباد کا مرکز بنایا گیا ہے اس کے انچارج مولانا تاج محمود ہیں، ہر مہینہ یہاں ان اضلاع کے مبلغین کی میٹنگ ہوتی ہے۔

اس جگہ کے حصول کے بعد حضرت مولانا محمد حیات قدس سرہٗ کا یہاں قیام ہوا جو ان کے انتقال کے چند دن پہلے تک رہا۔ مولانا ہی وہ خوش قسمت انسان تھے جنہوں نے کے شعبہ تبلیغ کی تنظیم کی اور اس کو سنبھالا۔ اب یہاں بھی ایسا ہی ہوا اور لطف یہ کہ جب انہیں اس سرزمین کے الاٹ کی خبر ملی تو کھانا ترک کر دیا۔ چنے اور اس نوع کی چیزوں پر مشقت ہونے لگی۔ معلوم کیا گیا تو فرمایا کہ اب وہاں کام کرنا ہے جہاں فی الحال آبادی وغیرہ کچھ نہیں ضروریات کے لیے پریشانی نہ ہو اس لیے از خود یہ مشقت شروع کر دی ہے مرحوم نے اپنا کتب خانہ ذاتی، مجلس کو وقف کر دیا جو آج یہاں کی بڑی زینت ہے۔ مجلس کے عزائم میں بہت کچھ شامل ہے اس جگہ کو عالمی تبلیغی ہیڈ کوارٹر بنانا پیش نظر ہے ——— اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ یہ جگہ واقعی ایسی ہی بن جائے گی اور پڑوس میں بسنے والی گم کردہ راہ مخلوق کی ہدایت کا ذریعہ بھی یہی مرکز بنے گا۔

ہمیں ربوہ میں بعض باتیں سن کر افسوس بھی ہوا مثلاً ۱۹۷۴ء کی آئینی ترمیم کے بعد مرزائیوں کا شور ( ) کافی حد تک ختم ہو گیا تھا سالانہ اجتماع کے بعد سپیشل ٹرینیں، نعرہ بازی وغیرہ نہ تھی۔ اس دفعہ الگ سی بوگیاں فراہم کی گئیں۔ بعض ٹرینیں

(باقی صفحہ ۲۴ پر)

قاسم رضوان اسد

تقویٰ — تعلیماتِ اسلامیہ کی اصل رُوح

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اسلام محض چند عبادات کا مجموعہ نہیں اور نہ ہی کچھ مذہبی عقائد کو مان لینے کا نام ہے بلکہ یہ ایک مکمل نظام حیات ہے جو کہ انسان کی زندگی کے جملہ پہلوؤں کو حاوی ہے جس میں عقائد عبادات، اخلاقیات، سیاسیات، معاشیات، قانون، معاملات اور نظام حکومت وغیرہ سبھی کچھ آجاتے ہیں آج ہم ان تمام اسلامی تعلیمات کی روح رواں "تقویٰ" کے متعلق مختصر سی گفتگو کریں گے جو کہ دینی احکامات پر عمل پیرا ہونے اور قرآن پاک سے ہدایت حاصل کرنے کی شرط اولین ہے اور مسلمان کا اصل جوہر ہے۔

تقویٰ کا معنیٰ

تقویٰ عربی زبان کا لفظ ہے اس کا مصدر وقایۃ ہے۔ جس کے معنی بچنے، ڈرنے یا نگہداشت و حفاظت کرنے کے ہیں اس کا ترجمہ عام طور پر خوف خدا یا پرہیزگاری کیا جاتا ہے جس کی بنا پر انسان اپنے دامن کو ہر چھوٹے بڑے گناہ سے اور ہر قسم کی برائی و نجاست سے بچاتا ہے۔

اسلامی اصطلاح میں تقویٰ اس قلبی کیفیت کا نام ہے جس سے ہر قسم کی نیکیاں اور اچھائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ کیفیت اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کی حفاظت سے حاصل ہوتی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے نظام زندگی کو خدا کی مقرر کی ہوئی حد کے اندر رکھے اور اب دل میں اس بات سے ڈرتا رہے کہ جہاں اس نے کسی خدائی حد کو توڑا تو پھر اسے سزا سے بچانے والا بھی کوئی نہیں ہو سکتا۔ آج کی ادنیٰ سے ادنیٰ کوتاہی کا بھی ایک دن اللہ کو حساب دینا ہے جہاں کوئی شفیع اور مددگار نہ ہوگا غرضیکہ خداوند تعالےٰ نے انسان پر جو حقوق بھی واجب ٹھہرا دیئے ہیں اور جو حلال و حرام مقرر کر دیئے ہیں۔ پورے احساسِ ذمہ داری اور مسئولیت کے ساتھ ان کی نگہداشت کرنیکا نام تقویٰ ہے۔

قرآن پاک کی روشنی میں اس لفظ کی بہترین شرح وہ ہے جو کہ حضرت ابیؓ بن کعبؓ سے بیان ہوئی ہے ایک دفعہ خلیفہ راشد حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین! کیا آپ کو کبھی ایسے راستہ سے گذرنے کا اتفاق ہوا ہے جس کے دونوں طرف خار دار جھاڑیاں ہوں اور درمیان میں جگہ تنگ ہو؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کہ بارہا ایسا ہوا ہے۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ ایسے موقعہ پر آپ کیا کرتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میں اپنا دامن سمیٹ لیتا ہوں اور بچتا ہوا چلتا ہوں کہ دامن کہیں کانٹوں میں نہ الجھ جائے۔ اس پر حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا کہ بس اسی کا نام تقویٰ ہے۔ زندگی کا یہ راستہ جس پر انسان سفر کر رہا ہے دنیاوی خواہشات و میلانات، شیطانی وساوس و ترغیبات، گمراہیوں اور نافرمانیوں کی خاردار جھاڑیوں سے گھرا ہوا ہے اس پُرخطر راستہ پر کانٹوں سے اپنا دامن بچاتے ہوئے چلنا اور اطاعت حق کی راہ سے ہٹ کر بدی اور نافرمانی کی جھاڑیوں میں نہ الجھنا ہی تقویٰ کہلاتا ہے۔

تقویٰ اور عبادات کا باہمی تعلق

قرآن پاک میں تقویٰ کا ذکر بکثرت ہوا ہے اور بار بار اس کی تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ متقی لوگوں کو کہیں رضائے الٰہی کی امید دلائی گئی ہے اور کہیں فراخیٔ رزق کی۔ کہیں بخشش کا وعدہ ہے اور کہیں اجرِ آخرت کا، انتہا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں

عزت و محبت کا معیار تقویٰ ہی کو قرار دیا گیا ہے چنانچہ آیات قرآنی ہے کہ تم میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ قابلِ عزت وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے پھر ارشاد خداوندی ہوا کہ بیشک اللہ تعالیٰ متقیوں (پرہیزگاروں) سے محبت رکھتا ہے حضورؐ کی مختلف احادیث میں بھی تقویٰ کو ہی معیارِ فضیلت قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور جسموں سے غرض نہیں رکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔ ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ آگاہ رہو! انسان کے سینے میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جب یہ تندرست ہو تو تمام بدن درست رہتا ہے اور اگر یہ مریض ہو جائے تو سارا جسم بیمار پڑ جاتا ہے جان لو! یہ دل ہے۔ ایک تیسری حدیث میں آپ نے سینے کی طرف اشارہ کر کے تین دفعہ فرمایا۔ کہ تقویٰ یہاں ہے۔ پس ظاہر ہوا کہ دل میں تقویٰ موجود ہو تو تمام اعمال و افعال درست ہو سکتے ہیں۔ اور اگر تقویٰ موجود نہیں تو یہ تمام باطل ہو جائینگے۔

نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی عبادتیں اسلام میں فرض قرار دی گئیں ہیں۔ لیکن ان کو عبادت کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ بس یہی مقصود بالذات ہیں اور ان کا اصل مقصد کچھ نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس اصلی غرض و غایت یعنی تقویٰ کے لیے آدمی کو تیار کرتی ہیں گویا ان کے سوا اسلام کی نظر میں کوئی ایسا ذریعہ نہیں جس سے یہ مقصد حاصل ہو سکے۔ نماز ہی کو لیجئے جس کے متعلق قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ وہ انسان کو بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے اور ان کاموں سے اجتناب کا ہی دوسرا نام تقویٰ ہے اسی طرح روزہ کا حکم دیتے ہوئے وضاحت فرما دی گئی ہے کہ وہ تم پر اس لیے فرض کیا گیا ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ زکوٰۃ کی فرضیت کا ایک بڑا مقصد بھی پاکیزگیٔ مال ہے اور پاکیزہ مال والے کا دل بھی پاک ہی ہوگا جو کہ تقویٰ کی غایت ہے ایسے ہی حج کے متعلق جہاں قرآنِ پاک میں یہ نصیحت آئی کہ اس سفر میں نکلنے سے پیشتر اپنے زادِ راہ کا بندوبست کر لو۔ وہاں ساتھ ہی اس حقیقت سے بھی آگاہ کر دیا گیا کہ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے اسی طرح قربانیوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ جانوروں کا گوشت اور خون اللہ تک نہیں پہنچتا بلکہ اس تک تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اسی طرح حضورؐ کی زندگی میں چند منافق دشمنانِ اسلام نے قبا کے مقام پر ایک مسجد کے ہوتے ہوئے دوسری مسجد کی بنیاد محض اس لیے رکھ دی تاکہ یہاں عبادت وغیرہ کے بہانے بیٹھ کر آزادی سے مسلمانوں کے خلاف منصوبے بنائے جاسکیں اور ان میں اختلافات کی آگ بھڑکائی جاسکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے اس کا افتتاح کرنے کی درخواست کی مگر آپ کو ہدایت خداوندی ہوئی کہ چونکہ پہلی مسجد کی بنیاد تقویٰ پر ہے اس لیے اسی میں نماز پڑھی جائے۔ چنانچہ نئی مسجد حضور کے حکم سے جلا دی گئی۔ کیونکہ اس کا مقصد فتنہ و فساد پیدا کرنا تھا اس مسجد کو آج تک مسجد ضرار کے نام سے یاد کیا جاتا ہے کیونکہ اس کی تعمیر میں مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کا مقصد کار فرما تھا۔ مختصراً یہ کہ اگرچہ عبادات کو اسلام میں بنیادی اہمیت حاصل ہے لیکن تقویٰ کے بغیر ان کی بھی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہ جاتی۔

شرائطِ تقویٰ

یوں تو تقویٰ تمام اسلامی نظام اخلاق و عبادات کے لیے سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کا حصول کئی ایک اوصاف کا متقاضی ہے لیکن ذیل میں صرف ان چند ایک چیدہ چیدہ شرائط کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے بغیر لفظ تقویٰ کا تصور بھی ممکن نہیں۔

(۱) خدا تعالیٰ پر پختہ ایمان: تقویٰ کے لیے سب سے پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ انسان کا خدا تعالیٰ کی ذات پر پختہ ایمان و یقین ہو۔ غیر اللہ کے سامنے اس کا سر کسی صورت میں بھی نہ جھکنے پائے اور نہ ہی کبھی ان کی اطاعت کی جائے۔ دل میں خوف ہو تو اللہ تعالیٰ کے ہی غضب اور پکڑ کا اور امید ہو تو اسی کی رحمت اور بخشش کی، خوف اس لیے تاکہ عیش و عشرت کے لمحات، دولت کی کثرت اور طاقت کا نشہ انسان کو محاسبۂ آخرت سے بے پرواہ نہ کر دیں۔ اور اُمید اس لیے کہ رحمت و عنایتِ الٰہیہ سے مایوس ہو کر انسان نیکی کے کاموں سے بالکل کنارہ کش ہی نہ ہو جائے گویا اپنے اچھے اعمال کی جزا کی امید اور بُرے افعال کی سزا کا خدشہ ہر وقت

دل میں موجود رہنا چاہیئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ "ایمان، خوف اور امید کے درمیان رہتا ہے" کا یہی مطلب ہے

(۲) احکام شریعت سے واقفیت:

حصول تقویٰ کے لیے یہ چیز بھی اشد ضروری ہے کہ انسان کو شریعتِ خداوندی کے احکاماتِ سے پوری طرح واقفیت ہو، اسے پتہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف امُور کی کیا حدود مقرر کر رکھی ہیں۔ حفظِ مراتب کیا چیز ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کیا ہوتے ہیں۔ اور ان سے عہدہ برآ ہونے کا صحیح طریقہ کار کیا ہے، وغیرہ وغیرہ، تاکہ انسان حلال وحرام اور جائز و ناجائز کو مدنظر رکھتے ہوئے کتاب وسنت کی پورے طور سے پیروی کر سکے۔

(۳) حلال کی روزی

یعنی انسان جو کچھ بھی کمائے وہ جائز اور حلال طریقے سے حاصل کرے۔ خیانت، بے ایمانی، بددیانتی، چوری، ناپ تول میں کمی بیشی، رشوت، سود اور جوئے لاٹری وغیرہ سے کمایا اور حاصل کیا ہُوا مال نہ صرف خلاف شریعت ہے بلکہ انسانی سیرت اور معاشرے کو بھی تباہ وبرباد کرنے والا ہے اس سلسلہ میں بزرگانِ دین کی بہت سی سبق آموز مثالیں موجود ہیں جن سے ان کی خصوصی احتیاط کا پتہ چلتا ہے۔ جیسے ایک دفعہ حضرت عمرؓ بیمار ہوگئے، علاج کے لیے چند تولے شہد کی ضرورت تھی جو بازار سے دستیاب نہ تھا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا مگر خلیفۂ وقت کو وہاں سے شہد لینے کا حوصلہ نہ ہُوا۔ آخر آپ نے مسجد میں مسلمانوں کو بلا کر اپنی ضرورت بیان کی اور ان سے باقاعدہ رضا مندی حاصل کر کے بیت المال سے شہد حاصل کیا۔ اسی طرح اورنگ زیب عالمگیر کے متعلق آتا ہے کہ باوجود بادشاہِ وقت ہونے کے وہ اپنی روزی خود قرآن پاک لکھکر اور اسے بازار میں بھیج کر حاصل کیا کرتے تھے۔

(۴) صدق کی پابندی

اسلام میں سچائی (صدق) کو اتنی زیادہ اہمیت دی گئی ہے کہ نہ صرف سچائی اختیار کرنے کا حکم ہُوا بلکہ ساتھ ہی یہ بھی تاکید آئی ہے کہ ہمیشہ سچوں کا ساتھ دو۔ اور ان کی صحبت میں رہو تاکہ ان کی سچائی کے اثر سے تم بھی سچے بن جاؤ۔ صدق کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے منہ سے کوئی لفظ بھی خلاف صداقت نہ نکلے ہم کبھی جھوٹی اور خلاف واقع گواہی نہ دیں کسی سے جو وعدہ اور قول و قرار کریں تو اسے ہر قیمت پہ پورا کریں۔ خدا تعالیٰ نے اپنی نسبت بار بار قرآنِ پاک میں فرمایا ہے کہ میں کبھی وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ جس طرح خدا تعالیٰ اپنے قول کا سچا اور عہد کا پکا ہے اسی طرح اس کے متقی بندوں کی خوبیوں میں سے ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ کسی سے جو وعدہ کریں اسے پورا کریں اور جو قول وقرار کریں اس کے پابند رہیں۔ ہر سچی بات کو قبول کریں اور اپنے ہر فعل وقول میں سچائی کو پیش کریں اور صداقت کی گواہی دیں۔ قولِ نبویؐ ہے کہ جس کا عہد (قول و قرار) نہیں۔ اس کا کوئی دین نہیں۔

(۵) عدل و انصاف

اسلام میں عدل و انصاف پر بھی بہت زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ اگر کسی قوم سے تمہاری دشمنی بھی ہو تو (اس سے) بے انصافی پر مت اُتر آؤ بلکہ انصاف سے کام لو کیونکہ یہ تقویٰ کے قریب تر ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جب دشمنوں کے ساتھ یہ عدل و انصاف کرنے کا حکم ہے تو مسلمانوں کے باہمی معاملات میں اس کی کس قدر ضرورت ہوگی۔ حضور کریم کی عدل پروری کا یہ عالم تھا کہ مدینہ میں مسلمانوں کے جانی دشمن یہود بھی بعض اوقات عدالتِ نبویؐ میں اپنے معاملات نپٹانے کے لیے لایا کرتے تھے کیونکہ انہیں بھی یقین تھا کہ آپؐ ہر صورت میں صرف عدل وانصاف کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی فیصلہ فرمائیں گے قوموں کی ترقی کے لیے باہمی اتحاد واتفاق کی سخت ضرورت ہے لیکن اسلام کی نگاہ میں یہ اتحاد واتفاق صرف نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں تک محدود ہے۔ جہاں عدل وانصاف کے راستہ سے قدم ہٹنا اور گناہ و فساد کے کاموں کی نوبت آئی تو ایسے موقع پر اپنی جماعت سے اختلاف کرتے ہوئے الگ ہو جانا ہی تقویٰ ہے۔

(۶) بدگمانی اور عیب جوئی سے اجتناب

اسلام نے غیبت، چغل خوری، عیب جوئی، تجسس (جاسوسی)، اور بدگمانی وغیرہ

تمام اخلاقی امراض کو حصُولِ تقویٰ کے منافی قرار دیا ہے اور اُن سے ہر حالت میں بچنے کی تاکید کی گئی ہے، کیونکہ اُن سے ایک دوسرے کی عزت و آبرو کو صدمہ پہنچتا اور باہمی تعلقات میں ناگواری پیدا ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں کسی کی غیبت کرنے کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابر قرار دیا گیا ہے جس پر کسی طور سے بھی انسانی طبیعت آمادہ نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کے ذکر سے بھی کراہت محسوس ہوتی ہے۔ ایک متقی اور پرہیزگار انسان کبھی دوسروں کے بارے میں بدگمانی اور سوئے ظن سے کام نہیں لے سکتا اور نہ ہی ان کی عیب جوئی تجسس اور غیبت کرنے پر آمادہ ہو سکتا ہے۔ حدیث شریف میں ایک مسلمان کی تعریف ہی یہ کی گئی ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کی عزت وآبرو اور جان و مال محفوظ رہے۔

(۶) مشتبہ چیزوں سے پرہیز:

متقی بننے کے لیئے یہ بھی لازم ہے کہ انسان نہ صرف ممنوع اور حرام اشیاء سے باز رہے بلکہ مشتبہ اور مشکوک چیزوں سے بھی پرہیز کرے۔ نبی اکرمؐ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حلال اشیاء کی بھی وضاحت فرما دی ہے اور حرام اشیاء کی بھی۔ البتہ ان دونوں کے درمیان کچھ مشکوک چیزیں ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے چنانچہ تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ان سے بھی بچ کر رہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ کسی چیز کو صرف مشتبہ سمجھ کر استعمال کر رہا ہو۔ درآنحالیکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ حرام ہو۔ ویسے بھی فطرتِ انسانی سے جو سہل اور آرام طلب واقع ہوئی ہے کچھ بعید نہیں کہ آہستہ آہستہ مشکوک چیزوں سے آگے بڑھ کر حرام اور ممنوع اشیاء کی طرف مائل ہونے لگے۔ بزرگان اسلام سے اس باب میں بھی بہت سے واقعات مروی ہیں جن سے ان کی حصولِ تقویٰ کے اس مرتبے حاصل کرنے کی خواہش کا پتہ چلتا ہے حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ اگر ہم کسی چیز کے دس حصوں میں سے صرف ایک حصہ میں شبہ پاتے تو اس تمام چیز سے دستبردار ہو جایا کرتے تھے۔ الغرض ایک متقی اور پرہیزگار شخص حقوق اللہ اور حقوق العباد کا پورا خیال رکھتا ہے، نہ عبادت میں کوئی کوتاہی کرتا ہے اور نہ ہی معاملات میں بے راہ روی سے کام لیتا ہے وہ اپنے حقوق و فرائض کو اچھی طرح سمجھتا ہے اور ان کی انجام دہی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتا۔

(۷) درجاتِ تقویٰ

حسب ذیل تقویٰ کے تین درجے بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) شرک اور اس کی تمام انواع مثلاً شرک فی الذات، فی الصفات اور فی الدعاء وغیرہ سے کلی طور پر مجتنب رہنا اور خالص توحید باری تعالیٰ پر دل کی گہرائیوں سے ایمان لانا اس میں شامل ہے۔ قرآنِ پاک میں سید الانبیاء حضرت ابراہیمؑ کو خوشنودئ خداوندی کی سب سے بڑی سند ہی یہ دی گئی ہے کہ وہ مشرکوں میں سے نہ تھے بلکہ پکے موحد تھے اس سے مُراد یہی ہے کہ وہ شرک جلی اور خفی کے جملہ اقسام سے کماحقہٗ بچے ہوئے اور توحید باری تعالیٰ پر پورے اُترتے تھے۔ اقسام شرک میں آج کل کے مسلمانوں کی عظیم اکثریت اپنی لاعلمی اور بے پروائی کی وجہ سے ملوث ہے ایک دوسرے مقام پہ ارشاد خداوندی ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرک کی کبھی بھی بخشش نہیں فرمائے گا اور جس کی چاہے گا مغفرت کر دے گا تیسرے مقام پر شرک کو "ظلم عظیم" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ شرک کتنی بڑی لعنت اور گمراہی ہے۔ نیز توحید کتنی بڑی نعمت اور عظمت ہے ایک متقی انسان یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کا مالک و خالق اور رازق ہے اس لیے وہ اپنی ہر ضرورت کے لیے اسی ذاتِ واحد کی طرف رجوع کرتا اور اس کے بتائے ہوتے راستہ پر چلنے کی کوشش کرتا ہے اسی کی ہدایات اور احکامات پر عمل کرتا اور اسی سے مغفرت و بخشش کا طلب گار ہوتا ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ خالق کی نافرمانی کے کاموں میں (اس کی) مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔ (ب) یہ درجہ حرام اور ممنوع اشیاء سے مکمل پرہیز اور صرف پاکیزہ و طیب اشیاء کو ہی استعمال کرنے سے عبادت ہے۔ قرآن شریف میں مردار اور حرام اشیاء سے باز رہنے کی بار بار تاکید آئی

ہے اور پاک و صاف اور حلال چیزوں کو کھانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ حدیث پاک میں اسی کو ایک اور مثال سے بیان کیا گیا ہے کہ ایک گرد آلودہ بال اور پراگندہ حال شخص آتا ہے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر بار بار اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے، درآنحالیکہ اس کا کھانا پینا اور لباس وغذا وغیرہ سب کچھ حرام کا ہے تو ایسے آدمی کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے — اسی طرح متقی شخص کو کبیرہ گناہوں سے بچنا اور اپنے دینی فرائض کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ کبیرہ گناہوں میں ملوث اور فرائض کو ترک کرنے والے انسان کو سب سے پہلے اپنی نجاتِ اُخروی کی فکر کرنی چاہیئے۔ ان کے ہوتے ہوئے کوئی صدقہ خیرات اور نفلی عبادت قبول نہیں ہوتی ہے، آج کل اکثریت کا یہی حال ہے کہ کبائر میں ملوث اور فرائض کے تارک ہیں اور صرف چند مذہبی رسومات اور اجتماعات پر ہی تکیہ کر بیٹھے ہیں حالانکہ صرف ایک نماز ہی کو لیجئے کہ جس کے متعلق قرآنِ پاک میں سینکڑوں بار حکم آیا ہے اور اس کے تارک کو عذابِ خداوندی سنایا گیا ہے۔ احادیث شریف میں اسے اسلام کا رکن اور بنیاد قرار دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ہے کہ نماز دین کا ستون ہے جس نے اسے قائم کیا اس نے دین کو قائم کیا۔ اور جس نے اسے چھوڑ دیا، (گرادیا) تو گویا اس نے دین (کی عمارت) کو ہی گرا دیا اور جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی وہ گویا کفر کا مرتکب ہو گیا

آپ آپ خود دیکھ لیں کہ ہمارے معاشرہ میں کتنے لوگ نماز پنج وقت کے پابند ہیں اور ان کا انجام کیا ہوگا؟

تقویٰ کا اعلیٰ ترین درجہ یہ ہے کہ انسان نہ صرف صغیرہ گناہوں سے بچے اور مشتبہ و مشکوک چیزوں سے پرہیز کریں بلکہ فرائض وسنن کے علاوہ نوافل اور مستحبات پر بھی عمل پیرا ہو۔ اُسی کے مطابق حدیثِ نبویؐ میں آتا ہے کہ حلال و حرام واضح ہیں جن کے درمیان بہت سے مشتبہ امور ہیں۔ پس جو شخص ان مشتبہ چیزوں سے بچ گیا اُسنے گویا اپنے دین و آبرو کو بچا لیا اور جس نے انہیں اختیار کیا، دور نہیں کہ وہ حرام اشیاء میں بھی جا پھنسے اسی طرح ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ جو بندہ (فرائض کے علاوہ) نوافل کے ذریعے اللہ تعالےٰ کا تقرّب اور محبّت چاہتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اسے اپنا مقرب اور حبیب بنا لیتے ہیں۔ نوافل پر ثابت قدمی کے ذریعے فرائض میں واقع کمی بیشی بھی پوری ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح فرائض زکوٰۃ کے علاوہ صدقہ وخیرات بھی انسان کے مصائب وتکالیف کو دور کرنے کا باعث بنتا ہے۔ قرآن پاک میں بھی انفاق فی سبیل اللہ کی طرف بہت رغبت دلائی گئی ہے اور اس پر اجر عظیم کی بشارت دی گئی ہے البتہ متعلقہ شخص پر احسان جتلانے سے اس کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔ تقویٰ کا یہ اعلیٰ ترین مقام صحابہ کرام اور اولیاء عظام کا ہی حصہ ہے اور متقی اشخاص ہی اس کے زمرہ میں آتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح متقی بننے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

بقیہ: چند گھنٹے ربوہ میں

جو یہاں نہیں رکتیں ان کا عارضی سٹاپ مقرر ہُوا ایک سیلون ERB/162 نمبری وہاں دیکھا گیا جو کسی ڈی۔ ایس۔ او صاحب کا تھا — اس کے بالمقابل چنیوٹ کی کانفرنس کے لیے کوئی سہولت نہ تھی۔ یہ ایک تکلیف دہ صورت ہے ان تاثراتی سطور میں بس اتنا ہی کہنا کافی ہوگا کہ حکومت آئین کی حفاظت کی ذمہ دار ہے اسے اس طرف توجہ دینی چاہیئے — ۳/۴ گھنٹہ ہم لوگ ربوہ میں یہ چیزیں دیکھنے کے بعد مجلس ختم نبوت کے رہنماؤں اور کارکنوں کے لیے دعائیں کرتے واپس آئے — اللہ تعالےٰ ان کے حوصلے بلند کرے۔ ہمّت دے ؎.

نمبر ۶ - آخری قسط

ڈاکٹر لال دین اخگر ایم اے۔ پی ایچ ڈی
شیخوپورہ

ابلیس بسترِ مرگ پر!

چکلوں کا انچارج

صدرِ معظم و حاضرین جلسہ! کالجوں اور اسکولوں کے انچارج صاحب کے ارشاداتِ گرامی میں ہمارے مشن کی کامیابی اور تقویت کے ہزاروں عوامل نظر آتے ہیں انہی درسگاہوں میں پرورش پانے والے نوجوان ہماری تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے کافی ہیں۔

آپ کو حقیقت حال سے پوری پوری آگاہی ہے کہ پاکستان کا وجود لا الٰہ الّا اللہ محمّد رسول اللہ کے نام پر عالم شہود میں جلوہ گر ہُوا لہٰذا اس میں بسنے والی قوم دنیا کی باقی قوموں سے زیادہ سنگدل، متعصب، خونخوار اور اپنے پیغمبر کے اشاروں پر مر مٹنے والی ہے۔ ہمیں مسلمانوں کی تاریخ کے سفّاکانہ واقعات کو ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ ان کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عرب میں نکاح کی رسم بد کو نافذ کرکے انسانی شباب کی اوباشانہ رنگ رلیوں کو یکسر ختم کر دیا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ اعلان کیا گیا کہ جو شخص ہمارے حکم کی خلاف ورزی کرے گا اُس کو دُرّوں کی مار اور بعض حالات میں سنگسار کیا جا سکے گا۔ اور پھر عورت جیسی صنفِ نازک پر بھی رحم نہ آیا۔

اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ وَّ لَا تَاْخُذْکُمْ بِھِمَا رَاْفَۃٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ۔ ۔ ۔ تا۔ ۔ ۔ ۔ مُؤْمِنِیْنَ۔ (سورۃ نور)

(بدکاری کرنے والی عورت اور مرد لہٰذا مارو ہر ایک کو دونوں میں سے سو سو دُرّے۔ اور نہ آوے تم کو ان پر ترس ... الخ)

یہی وہ ظالم اور خونخوار امّت ہے جس کے خلیفۂ دوم نے اپنے لختِ جگر کو عین جوانی میں کچھ ایسے ہی فعل کے ارتکاب پر دُرّوں سے ہلاک کر دیا۔ مَیں نے اپنی قوم کے جرموں سے جرّی شیطان کو دیکھا ہے کہ وہ ان لوگوں کی سفّاکیوں سے تھرا اُٹھتا ہے۔ ہم تو کسی شمار میں نہیں ہیں۔ ہمارے صدرِ محترم ان کے خلیفہ عمرؓ سے اس قدر خائف تھے کہ وہ جن بازاروں سے گزرتا تھا یہ اُس کی جلّادانہ نگاہوں سے بچنے کے لئے اُن گلیوں کو چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے۔ خیال کیجئے کہ لاکھوں جوان مرد وزن زنا و لواطت جیسے روح پرور عمل سے محروم رکھے جاتے۔ اور جہاں جہاں ان لوگوں کا بس چلتا رہا۔ انہوں نے ہر جگہ اور ہر زمانے میں اس ظلم کو روا رکھّا۔ خدا خدا کرکے ان اندھے متعصّب لوگوں سے دنیا قدرے خالی ہوئی، تشدّد کی گھڑیاں گذریں۔ اور حراست کے ایام ختم ہوئے۔ تو ہم نے آہستہ آہستہ تہذیبِ نوی کی طرح ڈالی۔ جس کی رُو سے عورت کو آزادی اور مرد کو بے غیرتی کا سبق پڑھایا۔ پردے کی جذبات کُش رسم سے سب کو متنفّر کیا۔ برسوں کی سعئ پیہم کے بعد امراء کو زنا میں مستغرق کرکے اور بادشاہوں، وزیروں اور اہلکاروں کو رقص و سرود اور شراب و کباب کا عادی بنا کر عوام کے لئے شہروں اور قصبوں میں چکلوں

کا انتظام کیا۔ چونکہ صاحب اختیار طبقہ سب سے پہلے ہماری دعوت کو قبول کرنے والا تھا لہٰذا انہوں نے عوام کو بھی فحاشی سے باز رکھنے کی ہرگز کوشش نہ کی۔

آج ہماری فتح کا ڈنکا چاردانگِ عالم میں عموماً اور پاکستان میں خصوصاً بج رہا ہے۔ اربابِ حکومت کی آزادمنشی اور فراخ دلی صد ہزار تحسین و آفرین کی مستحق ہے کہ اپنی قوم کی دوشیزگان کو چکلوں میں بیٹھنے کی اجازت باقاعدہ لائسنسوں کے ذریعے دیتے ہیں۔ کسی کی کیا مجال کہ اُن کی اجازت کے بغیر زناکاری کی دوکان چلائے۔ اسی حسنِ انتظام کی برکت سے پاکستان بھر میں بازارِ حسن و عشق کی رونق قائم ہے۔ سینما گھروں میں، سیرگاہوں میں ہم فوٹوگرافی کے ایسے ایسے برہنہ مناظر پیش کرتے ہیں۔ اور ایسے شہوت انگیز سبق دکھاتے ہیں کہ بڑے سے بڑا زاہد بھی اگر ان چیزوں کو دیکھ پائے تو لٹو ہو جائے۔ مقامِ شکر ہے کہ کالجوں کے ساٹھ فیصد افراد ہمارے قحبہ خانوں کا طواف کرتے ہیں۔ بعض جگہ پر قومِ لوطؑ کی عادت کو فروغ دیا جا رہا ہے لیکن باوجود ان ساری فتوحات کے ہمیں دشمن سے غافل نہیں رہنا چاہیئے۔ اور پھر جب تک اس امّت کے پاس قرآن مجید ہے پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات اور اُس کے صحابہؓ کے واقعات بعض بعض مساجد میں دہرائے جاتے ہیں اور پھر خطرے کی بات یہ ہے کہ حکومت کے کل پرزوں میں بھی بعض دقیانوسی خیال کے لوگ موجود ہیں جو حجازی نظام کو بنظرِ استحسان دیکھتے ہیں۔ اُس وقت تک ان کی طرف سے مطمئن ہونا اور تغافل برتنا سراسر نادانی ہے۔ القصّہ: ملّا ازم کا مقابلہ کرتے رہیئے۔ آدم کی وجہ سے ہمارے بابائے ملّت کی رسوائی ہوئی۔ لہٰذا اولادِ آدم (علیہ السلام) سے اس کا بدلہ لیتے رہیئے!

(تالیاں، نعرہ ہائے تحسین، شوروغل)

__ابلیس__: آفریں صد آفریں! عزیزم مجھے امید واثق ہے کہ آپ کی کوششوں سے بازارِ حُسن کی رونق کو ہمیشہ چار چاند لگتے ہی رہیں گے۔ انسانی فطرت کا جائزہ لینے والوں پہ یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ لڑکا ہو یا بوڑھا، جاہل ہو یا عالم، امیر ہو یا غریب، مرد و زن میں خواہ کوئی بھی ہو لازماً اس پر شباب میں شہوت کا بھوت سوار ہوتا ہے اور اگر کسی بدنصیب پر یہ اثر نہ ہو تو یقین کر لیجئے کہ وہ ضرور کسی کھدر پوش ملّا کی صحبت کا شکار ہو چکا ہے۔

جاؤ گرلز سکولوں اور کالجوں کے اندر گھس جاؤ۔ پاؤڈر، سرخی، نیل پالش، بنفشی دوپٹے، مشاطگی کے نت نئے انداز، فلمی گیتوں کو حفظ کرنا اور پھر امتحان میں انہی اشعار کی خالی جگہ طالبات سے پُر کرانا۔ استانیاں طالبات پر اور طالبات استانیوں پر سج دھج کرتی ہوئی نظر آئیں۔ لڑکوں اور اساتذہ کو بھی کہہ دو کہ گرلز سکولوں اور کالجوں کی چاردیواری کے آس پاس منڈلاتے رہا کریں۔ کیونکہ دونوں جنسوں کے ارتباط کا یہ ایک سنہری موقعہ ہے۔ میری تو دلی تمنّا ہے کہ مخلوط تعلیم کے مدارس عام ہو جائیں تاکہ پاکستان کی معصوم جانیں انتظار و فراق کے صدمات سے محفوظ رہیں اور آزادانہ دادِ عیش دیتی رہیں۔

__مذہب کا انچارج__: حضرات! میرے مشن کی مشکلات پر آپ نے ضرور غور کیا ہوگا۔ آدمؑ سے لے کر محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) تک لاکھوں داعیانِ مذہب نے توحید و رسالت، اخلاقیات، عبادات اور حسنِ معاملات پر زور دیا مگر قربان جائیئے صدرِ محترم کی بلند ہمتی کے کہ "صد پیامبر دید و کافر ہنوز"

خیر مجھے ہر زمانے میں ان کی صحیح رہنمائی کا سہارا رہا ہے۔ اگرچہ مجھ پہ اور خود صدرِ محترم پر کئی زمانوں میں مایوسی کے دن بھی آتے رہے۔ مگر کچھ عرصے کے بعد ان کی وسوسہ انگیز اور شکوک افزا تجویزوں نے ناامیدی کو سازگار ماحول سے بدل ہی دیا۔ اگرچہ ہر پیغمبر کی

آمد پر ہمیں کئی قسم کے خطرات لاحق ہوتے۔ لیکن ہم پیغمبر کی وفات کے بعد اُس امّت کے مشائخ اور علماء کو اُس مقام پر پہنچاتے رہے کہ یہ لوگ کچھ وقت پاکر اُن کی الوہیّت کا پرچار شروع کر دیتے۔ خیر تفصیل سے قطع نظر اب قیامت تک ہمارا مقابلہ امّتِ محمدیّہ سے ہے۔ چودہ سو برس میں ہم نے اس امّت میں کوڑیوں فرقے پیدا کر دئے ہیں۔ ادھر بدعات اور مشرکانہ رسومات کو فروغ دے کر ہم نے کئی پیرانِ عظام کی روزی کا سامان پیدا کر دیا ہے۔ لہٰذا تعویذ اور گنڈا کی کمائی، قبور پر چڑھاوے، نذر و نیاز اور باقی غیراللہ کے نام کے نذرانے شیرِ مادر کی طرح حلال سمجھے جانے لگے ہیں، مزاروں پر طبلہ و دمدمہ، قوالی شریف، ملنگوں کا بھنگ اور چرس کے نشہ میں علماؤ کو کوسنا مذہب کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ میلوں اور نوچندی کے اجتماعوں میں حسن پر عشق مچلتا ہے۔ مساجد کے مُلّا خواہ عالمِ دین ہوں۔ جو بھی مالِ مشکوک یا حرام کا لقمہ کھا لیتا ہے وہ اپنی پارٹی کے پروپیگنڈے کے لئے قرآن کی خوب تحریفِ معنوی کرتا ہے۔

مدعیانِ نبوّت سے ہمارا مشن بڑا کامیاب ہوتا ہے۔ چودھویں صدی کے اوائل میں سرزمینِ پنجاب میں یہ سلسلہ بڑی شد و مد سے شروع کیا تھا جو ابھی تک جاری ہے۔ علاوہ ازیں پاکستان میں چند افراد اور بھی ہمارے شکریّہ کے مستحق ہیں۔ یہ لوگ کسی کالج سے عربی ایم۔اے پاس کر کے یا چند مذہبی کتابیں اردو میں پڑھ کر خوب دم ٹھونک کر میدانِ میں کود پڑتے ہیں۔ یار لوگ ان کو علاّمہ کا لقب دیتے ہیں۔ اب وہ مصلحِ قوم اور مجدّد بننے کے خواب دیکھنے لگتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے عقیدتمندوں کو دین کا بادہ پہن کر نیچریت، الحاد اور بے دینی کی تعلیم دیتے ہیں۔ سابقہ روایات پر پھبتیاں کسی جاتی ہیں۔ خدمتِ خلق کو عبادت پر ترجیح دی جاتی ہے۔ کہیں زکوٰۃ اور قربانی کے مسائل کی تاویلیں کی جاتی ہیں اور ادھر کالجوں کی نئی پود ان کی لفاظی، طرزِ بے جا، فقرہ بندی اور چند عبادات کی سلاست پر لٹو ہو جاتی ہے۔ ایسے علاّمہ لوگ تجدید و احیائے دین کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ اسلافِ کرام سے اُن کی تعبیرات بالکل مختلف اور متباین ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس طرح سے ہمارے ابلیسی نظام میں مدد ملتی ہے۔ ہماری مسرّت کے لئے یہ کچھ کم ہے کہ سنّتِ نبویؐ کی جگہ بدعات کا عام دور دورہ ہے۔

(نعرے، قہقہے، تالیاں)

ابلیس:۔ (سب کہو علماءِ سُوء زندہ باد!

امام ولی اللہؒ کی حکمت کا مرتبہ

یہ طالب علم انگریزی کے ذریعہ جب براہ راست یورپ کی نئی تحریک یعنی اس کے سوشلسٹ پروگرام کی تاریخ اور اس کی کامیابی کے حالات سے واقف ہوگا۔ تو اس وقت جا کر کہیں اس پر یہ حقیقت واضح ہو سکے گی کہ:۔

امام ولی اللہؒ کی حکمت جس پر ان کی کتابوں "حجۃ اللہ البالغہ" اور "ازالۃ الخفا" کا مدار اور اساس ہے۔ اور جس حکمت کے ذریعے وہ قرآن مجید، صحاح ستّہ اور ائمہ اربعہ کے مذاہب اور محققین علماء کی سیاست کو حل کرتے ہیں۔ وہ ولی اللّٰہی حکمت آج بھی یورپ کی اس انقلابی تحریک سے مقدم اور بلند ہے۔ اور میں جو یہ کہتا ہوں کہ آج کے یورپ کو سمجھے بغیر حضرت امام ولی اللہ کی حکمت کا مرتبہ پہچاننا ناممکن ہے [illegible] اس کا مطلب بھی یہی ہے

(خطبات مولانا عبید اللہ سندھی ص۱۵۲)

آیتِ کریمہ

جامع مسجد شیرانوالہ میں ۹/اپریل بروز جمعرات بعد نماز مغرب پڑھی جائے گی ان شاء اللہ

ٹیلی فون نمبر ۶۷۵۴۵ | خدام الدین | رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۰۴

منظور شدہ محکمہ تعلیم
۱- لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۱۶۳۲۱۹ مورخہ ۲ مئی سنہ ۱۹۵۶ء ۲- پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C-۲۳۷-۲۴۸۱ مورخہ ۷ ستمبر سنہ ۱۹۵۶ء
۳- کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۳۶/۹/۶۷-۲۰۷۹-D-DA-۲۴ (۴) اگست ۱۹۶۶ء ۴- راولپنڈی ریجن بذریعہ میمو نمبر ۶/۴۰/۱۵۳۱۰ مورخہ ۳ مارچ سنہ ۱۹۶۷ء

جبر کو میرے گناہوں کی سزا کہتے ہیں

نصر اللہ خاں، ناصر

جبر کو میرے گناہوں کی سزا کہتے ہیں،
میری مجبوری کو تسلیم و رضا کہتے ہیں

کشتگانِ ستم و جور کو بھی دیکھ تو لیں
اہلِ دانش جو جفاؤں کو وفا کہتے ہیں

کل بھی حق بات جو کہنی تھی سرِ دار کہی
آج بھی پیشِ بتاں نام خدا کہتے ہیں

یوں تو محفل سے تری اُٹھ گئے سب دل والے
اک دیوانہ تھا، وہ بھی نہ رہا، کہتے ہیں

یہ مسیحائی بھی کیا خوب مسیحائی ہے
چارہ گر موت کو تکمیلِ شفا کہتے ہیں،

بزمِ زنداں میں ہوا شورِ سلاسل برپا
دہر والے اُسے پائل کی صدا کہتے ہیں

آندھیاں میرے نشیمن کو اُڑانے اُٹھیں
میرے گھر آئے گا طوفانِ بلا کہتے ہیں

اُن کے ہاتھوں پہ اگر خون کے چھینٹے دیکھیں
مصلحت کیش اسے رنگِ حنا کہتے ہیں

میری فریاد کو اس عہدِ ہوس میں ناصر
ایک مجذوب کی بے وقت صدا کہتے ہیں